18
―
9

اے۔ بی ۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر: دارالعلوم - ۴ قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار فون نمبر رہائش - ۲

جلد : ۱۸
شمارہ : ۹

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

رمضان ۱۴۰۳ھ
جون ۱۹۸۳ء

مدیر : سمیع الحق

اِس شمارہ میں

نقشِ آغاز	سمیع الحق	۲
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی مجلس میں	مولانا انوار الحق - مولانا عبدالقیوم	۵
نومسلم فرانسیسی عالم موریس بوکائی کے خیالات (انٹرویو)	اخبار العالم الاسلامی / تعمیر حیات	۱۱
سرسید - ایک مورخ کی حیثیت سے	حکیم سید محمود احمد برکاتی	۱۹
سائنسی علوم وفنون میں مسلمانوں کا حصہ	مولانا ابوالبیان صاحب	۲۸
طورو کے گیلانی سادات (مولانا سید گل بادشاہ کے اکابر)	مولانا عبدالحلیم اثر افغانی	۳۸
تحریک روشنیہ دعاوی ونظریات	مولانا مدرار اللہ مدرار	۴۴
مفتی سرحد مولانا عبدالقیوم پوپلزئی	حافظ عبدالغفور ایم۔اے	۵۱
افکار وتاثرات	ڈاکٹر حمید اللہ فرانس اور دیگر۔	۵۵

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ -/۳۰ روپے ۔ فی پرچہ -/۳ روپے
بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ۔ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

★

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نقشِ آغاز

رحمتِ خداوندی کا موسم بہار "شہر رمضان المبارک" ملّتِ محمدیہ کے سروں پر سایہ فگن ہے۔ اس وقت ہم اس کے وداعی دور (عشرۂ اخیرہ) سے گزر رہے ہیں۔ جسے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہنم سے نجات "عتق من النار" کا مرحلہ قرار دیا۔ نامناسب نہ ہو گا۔ اگر رمضان کے روح پرور اور سبق آموز پہلوؤں پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال دی جائے۔

رمضان کیا ہے — ؟ انوار و برکات الٰہی کے فیضان کا مہینہ — تجلیاتِ ربانی کا مظہر — رحمت ہائے واسعہ کا ظہور اور نعمت ہائے متوالیہ کا ابرنیسان — رمضان، رحیم و کریم کی رحمتوں کا وہ نقطۂ عروج ہے جو اپنے جلو میں بے چین و مضطرب انسانیت کے لئے قرآن کریم جیسا نسخۂ شفاء اور اکسیرِ ہدایت لایا۔ اور اس طرح ماہ رمضان ہی وہ مقدس زمانہ ٹھہرا جس میں رب العالمین نے اسلام جیسی بیش بہا نعمت سے اپنی نعمتوں اور نوازش کی تکمیل فرمائی — رمضان مؤمنین کے پژمردہ دلوں کے لئے حیاتِ نو کا پیغام اور عبادِ مقربین کے لئے جلاء و نکھار کا مہینہ ہے جس میں ذکر و فکر اور بندگی و طاعت کی محفلوں میں تازگی اور فسق و فجور کے ظلمت کدوں میں ویرانی آجاتی ہے — ایمان و تقویٰ کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، اور ظلم و معصیت کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں — ماہِ صیام ابلیس کی بندش و رسوائی اور پراگندہ حال شکستہ خاطر مومنین کی سرفرازی اور سرخروئی کا مہینہ ہے — رمضان حدیثِ یار کے ورد و تکرار اور رات کی تنہائیوں میں محبوب و مطلوب سے مناجات اور سرگوشیوں کا عہدِ وصال ہے — رمضان جس کی آخری شب میں ربِ کریم اپنی آغوشِ رحمت پوری کائنات — پوری انسانیت — اپنے رب سے ٹوٹی ہوئی انسانیت کے لئے وا کر دیتا ہے — اور اپنے مالکِ حقیقی سے برگشتہ بندوں کو جود و بخشش کی صلائے عام ہوتی ہے — الا من مستغفرٍ فاغفرله الا من مسترزقٍ فارزقه الا من مبتلیً فاعافیه الا كذا الا كذا (الحدیث) ہے کوئی بخشش کا طلب گار کہ میں اسے بخش دوں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس پر خزانۂ غیب سے رزق کے دروازے کھول دوں۔ کوئی مصیبت زدہ ہے، جسے میں نعمتِ عافیت سے نواز دوں —

پھر اس کے افطار کا وقت — سبحان اللہ — وہ تو جمالِ محبوب کے دید و مشاہدہ اور اس کے قرب و تدلّی کا وہ مقامِ معراج ہے کہ فراق و ہجر کے ستّر ہزار حجاب بیچ سے ہٹ جاتے ہیں۔ گوناگوں مسرّتوں اور لقاءِ رب کے لمحات —

للصائم فرحتان فرحةٌ عند فطره وفرحةٌ عند لقاء ربه (الحدیث) روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک وقتِ افطار کی خوشی اور ایک اپنے ربّ کی زیارت

اور وصال کی مسرت۔ غرض رمضان کی ہر رات شبِ وصال اور ہر دن یوم مشاہدۂ جمال ہے ــــ ع

ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

پھر اس میں ایک رات (لیلۃ القدر) ایسی بھی آجاتی ہے، جو عظمت و مرتبت کے لحاظ سے ہزار مہینوں کے برابر ہے جس میں یکبارگی قرآن نازل ہوا جو الروح الامین اور ملائکہ رحمت و سلام کے نزول کی رات ہے، جس میں ساری کائنات ذوالجلال والکبریاء و معبود کی عظمتوں کے سامنے جھک کر اس کی تسبیح و تمجید میں ڈوب جاتی ہے۔ مگر ایک عاشقِ زار کیفِ وصال اور لذتہائے جمال میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ وہ اس ہزار ماہ والی رات کو ایک رات بلکہ ایک لمحہ سمجھنے لگتا ہے۔ کانہ لم یلبثوا الا ساعۃً من نہار۔ اور صبح صادق کے وقت پکار اٹھتا ہے کہ ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد　　روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اور ما عرفناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک ۔ کا نغمۂ عجز و قصور اس کی زبان پر ہوتا ہے ــــ
انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیرٌ من الف شہر تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربہم من کل امر سلامٌ ھی حتٰی مطلع الفجر ــــ

پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ آتشِ قرب اور سوزِ دروں سے بے تاب ہو کر رضائے مولیٰ کا طلبگار بندہ گھر بار خویش و اقارب سب کچھ چھوڑ کر اسی کے در پر ڈیرہ جما دیتا ہے اور جب تک رضا و وصال کا ہلالِ عید چمک نہ جائے یہ بھی آستانۂ یار کی چوکھٹ نہیں چھوڑتا ــــ سوز و ساز، امید و بیم، درد و تڑپ، اضطرار و التجاء اور تقلیلِ طعام کے بعد قطع کلام و منام اور ترکِ تعلقات کے اس چلّہ کو ہم اعتکاف سے یاد کرتے ہیں ــــ پھر وہ رمضان ہی کے ساعات کیمیا اثر ہیں جن کی تاثیر سے ہماری حقیر سی نیکی، عملِ قلیل اور بضاعۃ مزجاۃ، اخلاص و احتساب کی آمیزش سے جبلِ احد جتنا مقام پالیتی ہے۔ ہمارے نوافل فرض اور فرض ستر فرائض کے برابر ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ اجر و ثواب خود بارگاہِ ایزدی سے براہِ راست ملتا ہے۔ الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ کہ اس کی یہ بھوک و پیاس، یہ پژمردگی، یہ ربودگی صرف اسی کے لئے تو ہے، اور اسی ہی کے علم میں ہے کسی غیر کی رضا مندی، ریا اور شہرت کا اس میں شائبہ بھی نہیں۔ پھر اس شہر مسعود کے یہ برکات و انوار وقتی نہیں بلکہ ایک مسلمان کی ساری زندگی اس کی بدولت ایمان و احسان کے سانچہ میں ڈھل سکتی ہے۔ بشرطیکہ رمضان کے فضائل و برکات اور ایمان آفرین

نتائج نگاہوں کے سامنے رہیں اور صوم کی یہ عبادت ہر قسم کے منکرات و فواحش، قول زور بیہودہ مجالس، غیبت اور گالی گلوچ، ریا و عجب۔ غرض تمام بُرے افعال کی آلائش سے پاک رہے کہ جب حلال چیز سے پرہیز ہے تو حرام کی گنجائش کہاں ہے؟ اور اگر یہ عمل ایمان و احسان سے خالی اور ذنوب و آثام سے محفوظ نہیں ــــ تو یہ تو نری بھوک و پیاس ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کوئی سروکار نہیں رکھتا (بخاری) اور کتنے صائم النہار و قائم اللیل ہیں کہ جن کے پلّے بجز پیاس اور مفت کی جگائی کے اور کچھ نہیں پڑتا (الدارمی) روزہ صرف کھانے پینے سے رُکنے کا نام نہیں بلکہ تمام بیہودہ اور بیحیائی کی باتوں سے دستبردار ہونے کا نام ہے (الحدیث) روزہ تو گناہوں اور جہنم کی آگ سے بچانے والی ایک ڈھال ہے، جب تک روزہ دار اس کو جھوٹ اور غیبت سے چھید نہ ڈالے۔ (نسائی وغیرہ) یہ مہینہ سراپا وعظ و نصیحت ہے اور اس کا ہر پہلو صد ہا نصیحتوں سے لبریز ہے۔ یہ مہینہ صبر کی تلقین کرتا ہے کہ اللہ کے حکم سے ہم نے لذائذ و شہوات کو ترک کر دیا۔ اس طرح مومن کی ساری زندگی منکرات و فواحش اور منہیات سے صبر و گریز کی آئینہ دار ہو گی ــــ یہ مہینہ ہمیں جہاد سکھلاتا ہے کہ نفس تو عدوِ اکبر اور اس کا مقابلہ جہادِ اکبر ہے۔ اور جب مسلمانوں نے روزہ سے نفس پر فتح پانے کا ملکہ حاصل کر لیا تو عدوِ اصغر کافر و مشرک کی شکست تو آسان بات ہے ــــ یہ مہینہ ہمیں بھوک و پیاس کا احساس دلا کر باہمی ہمدردی، ایثار و انفاق اور غریب پروری کا سبق دیتا ہے۔ اس لحاظ سے حضورؐ نے اسے شہرِ مواساۃ کہا یعنی غمخوارگی کا مہینہ ــــ "جو خدا کے کسی بندہ پر آسائش لائے، اسے کھانا کھلائے یا صرف دودھ کی لسی یا کھجور کے دانہ اور پانی کے گھونٹ سے افطار ہی کرا دے تو اس کی آگ کی مستحق گردن جہنم سے نجات پائے گی۔ اور اسے جنت کا پروانہ مل جائے گا۔ جس روزہ دار نے کسی بندۂ خدا نوکر یا غریب کا بوجھ ہلکا کیا۔ اللہ تعالےٰ اس کی گردن سے گناہوں کا بوجھ اتار دے گا" (الحدیث عن سلمانؓ الفارسی) غرض یہ شہر رمضان کیا ہے؟ سراپا نور و رحمت، سراسر خیر و برکت، تہذیب نفس، تنقیح اخلاق، اصلاح اعمال، مجاہدہ و ریاضت کا مہینہ اور ملکوتی صفات کو حیوانی عادات پر غالب کرنے، جلاء باطن اور تزکیۂ روح کا موسم بہار ــــ کتابِ مبین "قرآن کریم" کے پیش کردہ نصاب و نظام کی عملی ٹریننگ کے ایام۔ تاکہ تم میں قرآنی زندگی پیدا ہو۔ یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

شہر اولہ رحمۃ ــــ واوسطہ مغفرۃ ــــ وآخرہ عتق من النار

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

ضبط و ترتیب : حافظ انوار الحق ، مولانا عبد القیوم حقانی

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ کی مجلس میں

- برطانوی سکالر مسز آرا شیگ کی ملاقات
- اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے طلبہ سے گفتگو

برطانوی خاتون جو کہ مغربی جرمنی کی عالمی خبر رساں ایجنسی کی نمائندہ مسز آرا شیگ (ARA SHEEG) ماسکو میں بھی برطانیہ کے سفارت خانہ میں کام کر چکی ہیں اور اس وقت پاکستان ٹوبیکو کمپنی لمیٹڈ (P.T.C) کے علاوہ دنیا بھر میں اس کمپنی کے ساٹھ بڑے کارخانوں کے چیئرمین کی ہمشیرہ ہیں ، ۳ر مئی ۱۹۸۳ء دار العلوم حقانیہ تشریف لائیں اور حضرت اقدس شیخ الحدیث سے ملاقات کی ۔ حضرت الشیخ سے ملاقات اور بعض امور پر گفتگو کیلئے کافی دن پہلے انہوں نے وقت مانگا تھا ۔ مذکورہ خاتون روس کے اکثر ان علاقوں اور ریاستوں کا دورہ کر چکی ہیں جہاں روسی استعمار نے بزور قبضہ اور اپنے نظریات کو مسلّط کرنے کے بعد مسلمانوں کے مذہب ، عبادت گاہوں واملاک کو تاراج کو نیست و نابود کرنے کی بہیمانہ کوشش کی ۔ چونکہ ان کی گفتگو کے بعض حصّوں سے جہاد افغانستان کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ، اس لئے قارئین کی دلچسپی و معلومات کے لئے سپرد الحق ہے ۔ حضرت الشیخ اور برطانوی خاتون کے درمیان ترجمانی کے فرائض پی ٹی سی اکوڑہ خٹک کے جنرل منیجر صاحب جناب جیلانی صاحب نے ادا کئے ۔

برطانوی خاتون نے روس کے علاقوں سمرقند و بخارا ، ترکستان اور افغانستان میں مسلمانوں و مجاہدین کے روسی فوج ، توپ و تفنگ ، ٹینکوں ، بمبار طیاروں سے معرکۃ الآراء ہونے کے مشاہدات سنائے تو حضرت الشیخ نے فرمایا کہ واقعۃً بعض یورپی خواتین بڑی دلیر اور بہادر ہوتی ہیں کہ عین محاذ جنگ میں بموں اور گولوں کی گھن گرج میں جاکر حالات جنگ معلوم کر لیتی ہیں اور مظلوم پر ظلم کے جو پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں اس سے اقوام عالم کو آگاہ کر کے ان کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیتی ہیں ۔

برطانوی خاتون کے اس سوال پر کہ کیا دار العلوم حقانیہ میں سمرقند ، بخارا ، ترکستان اور کابل و قندھار کے طلباء بھی پڑھ رہے ہیں ، انہیں علاقوں کے رہنے والے طلباء کو بلا کر ان سے ملاقات کرائی گئی ۔ اس ملاقات میں انہوں نے بے حد دلچسپی اظہار کرتے ہوئے ان طلباء سے یہاں آمد کا مقصد ، تعلیم و تربیت فراغت کے

بعد اپنے اپنے علاقوں کو واپسی، مستقبل کے ارادوں اور پروگرام اور اس نوعیت کے دیگر اہم سوالات۔

حضرت الشیخ | اس وقت جہادِ افغانستان میں دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور علماء کی ایک بہت بڑی جماعت میدانِ جہاد میں قیادت و امارت کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اور ہر محاذ پر لڑنے والوں میں پیش پیش ہیں۔

برطانوی خاتون | برطانوی خاتون نے حضرت کے اس ارشاد کی بڑی مسرت اور فراخدلی سے تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ جب میں روس میں برطانوی سفارت خانہ میں کام کرتی تھی میں نے وہاں سمرقند و بخارا اور اس کے ملحق علماء سے بھی ملاقاتوں کے دوران دارالعلوم حقانیہ اور اس خطہ کے علماء و فضلاء کا بارہا ذکر سنا۔ اس طرح میں جہادِ افغانستان میں یہاں کے پڑھے ہوئے علماء کی حیرت انگیز قائدانہ صلاحیتوں سے بھی اپنی ذاتی تجسّس کی بناء پر خوب واقف ہوگئی اور اسی وجہ سے میرا یہ خیال تھا کہ دارالعلوم حقانیہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مرکز ہے۔ جس کے تعلیم یافتہ افغانستان میں روسی فوجوں سے ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور اسی وجہ سے کافی عرصہ سے میرے دل میں دارالعلوم حقانیہ آپ اور یہاں کے رہنے والوں کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوگیا تھا۔ اور اس تمنّا کی وجہ سے مضطرب رہی۔ آج آپ کی ملاقات سے یہ دیرینہ خواہش اور تمنّا پوری ہوگئی۔

برطانوی خاتون نے مزید بتایا کہ میں نے بہت قریب سے بعض روسی مسلم علاقوں کو دیکھا ہے۔ چونکہ روس کا تسلّط وہاں زیادہ تر مسلم علاقوں پر ہے۔ اور اب کافی عرصہ سے قدرت کا کچھ ایسا مظاہرہ ہو رہا ہے کہ ان علاقوں میں اگر روسیوں کا ایک بچّہ پیدا ہوتا ہے تو مسلمانوں کے تین وچار۔ تو گویا اس تناسب سے مسلم آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ روس نژاد وہاں کے مسلمانوں سے تنگ آرہے ہیں اور اب وہ وقت دور نہیں جب وہاں کے مسلم نوجوان نسل روسیوں کو اپنے علاقوں سے باہر نکال دیں گے۔

حضرت الشیخ | جہادِ افغانستان میں بھی علماء کرام اور مسلمان بے سروسامانی اور نہتے ہونے کے باوجود جو کردار ادا کر رہے ہیں اس سے بھی روس کی اصل حقیقت دنیا پر واضح ہو چکی ہے۔ حالانکہ روسی قوت کو ساری دنیا میں ایک اور ناقابلِ تسخیر طاقت اور ہوّا سمجھا جا رہا تھا مگر الحمدللہ ہمارے ان علماء کرام اور مجاہدینِ افغانستان نے سر پر کفن باندھے خدا کے فضل و کرم سے روسی قوت کا ایسا مقابلہ کیا کہ ساری دنیا کے سامنے روسی استعمار و طاقت کا بھانڈا پھوٹ گیا۔

مسز آرا شیگ | خاتون نے تعجب سے پوچھتے ہوئے کہا آپ کا یہ ادارہ دارالعلوم حقانیہ اس قدر وسیع و عریض احاطہ، عظیم الشان بلڈنگ پر مشتمل ہے اور ایسی ہی تعلیم پانے والے قریباً ۱۵۰۰ طلباء جن کے قیام و طعام پانی، بجلی و دیگر بنیادی ضروریات بھی ادارہ کے ذمہ ہیں۔ اتنے اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں حالانکہ آپ کا ادارہ حکومت کا تعاون اور ایڈ وغیرہ بھی قبول نہیں کرتا۔

حضرت الشیخ | ہم مسلمانوں کا ایک خدا ہے اور ہمارا یقین کامل ہے کہ وہی پالنے والا اور رزق دینے
ہے۔ اس ذاتِ برحق نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں فرمایا ہے: ومن یتق اللّٰہ یجعل لہٗ مخرجاً و
زقہ من حیث لا یحتسب۔ الآیہ۔ ہمارا یہ ادارہ، اس کے طلباء، اساتذہ، فضلاء اسی وحدہٗ لاشریک خدا
ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے سارا سال اپنے تعلیمی و تدریسی کام اور پھر تعلیم سے فراغت کے بعد تبلیغ ،
ستِ دین، جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ میں منہمک اور مصروف رہتے ہیں۔ خداوند کریم ان کے لئے رزق اور
ش کے اسباب غیب سے مہیا کر دیتے ہیں۔ الحمدللہ الحمدللہ ہم نے آج تک خدا کے سوا کسی کے سامنے
تِ سوال نہیں پھیلا۔ آپ جو تقریباً ساٹھ کارخانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور آپ کے ساتھ پی ڈی سی اکوڑہ خٹک
منیجر صاحب و دیگر افسران تشریف فرما ہیں کیا آپ یا آپ کے ان رفقاء سے آج تک میں نے یا دارالعلوم
کسی نمائندہ نے آپ کے ہاں آ کر کسی بھی عنوان سے دارالعلوم حقانیہ کی معاونت کے سلسلہ میں کچھ طلب کیا
۔۔؟ ہرگز نہیں۔ ہمارا "ویرزقہ من حیث لایحتسب" پر ایمان بھی ہے اور شبانہ روز کا مشاہدہ بھی۔

برطانوی خاتون نے حضرت شیخ الحدیث کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، باوجود ضعف و کمزوری کے
ات و گفتگو کے تکلیف دہی پر معذرت چاہی۔ ملاقات کے بعد مذکورہ خاتون نے دارالعلوم کے تمام
بوں کو بنظرِ تحقیق دیکھا۔ کتب خانہ میں بعض نوادرات دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔ دارالحفظ والتجوید کے بعض
ٹے طلباء نے قرآن مجید کی کچھ آیات سنائیں۔ آپ نے ادب و احترام سے سنا۔ اور اسلام کی عظیم
نہ گاہ کے بلا کسی ظاہری اسباب کے وسعت و ترقی کو دیکھ کر خوشگوار و تعجب انگیز تاثرات کے ساتھ
ں چلی گئیں۔

(رپورٹنگ مولانا عبدالقیوم حقانی)

---

۲۹ مئی کو اسلامی یونیورسٹی فیصل مسجد اسلام آباد کے طلباء کی ایک جماعت جو تقریباً پچاس افراد پر مشتمل
، دارالعلوم حقانیہ کے مطالعاتی دورہ پر آئی۔ دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سے ملاقات کے بعد
انا سمیع الحق صاحب سے معلومات کی غرض سے دارالعلوم کے نصاب، طرزِ تعلیم، مدتِ فراغت، دارالعلوم
تاریخ تاسیس سند ، دارالعلوم کے اخراجات اور جہادِ افغانستان کے بارہ میں سوالات کئے جن کے
ں نے تشفی بخش جوابات دئے۔ تمام طلباء غور و انہماک سے سنتے رہے اور کچھ طلباء نے یہ تمام حالات
لف اپنی ڈائری میں منضبط بھی کر لئے۔ سوالات و جوابات کے اس وقفہ کے بعد طلباء نے حضرۃ شیخ الحدیث
کچھ نصائح سننے کی خواہش ظاہر کی۔ اس موقعہ پر حضرت نے جن ارشاداتِ عالیہ سے ان طلباء کو نوازا

قارئین الحق کے افادہ کے لئے حاضر خدمت ہیں۔

(مولانا حافظ انوار الحق صاحب)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ ارشاد نبوی ہے کہ طالب العلم کیلئے فرشتے رحمت کے پر بطور اعزاز بچھاتے ہیں۔ میں اسکی کوئی تاویل نہیں کرتا۔ آپ حضرات بھی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے طالب العلم ہیں۔ اس یونیورسٹی کا مقصد بھی اسلامی تعلیمات اور علوم کی ترویج واشاعت ہے۔ اس لئے آپ بھی اس ارشاد نبویؐ کے زمرہ میں آتے ہیں، اگر آج کوئی کہہ دے کہ طالب العلم کیلئے فرشتے پر بچھاتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں۔ کیونکہ رب العزت نے انسان کے ہونٹوں پر دو فرشتے مقرر کئے اسی طرح آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف باڈی گارڈ موجود ہے۔ تمام فرشتے تکوینیات کے نظام پر رب العزت نے مقرر کئے۔ زمین پر کروڑوں اربوں سے بھی زیادہ موذی حشرات الارض موجود ہیں۔ اگر رب العزت کی جانب سے فرشتوں کے باڈی گارڈ ہونے کا انتظام نہ ہوتا تو ہر وقت ان کی طرف سے ضرر رسانی کا خطرہ ہوتا حالانکہ یہ حشرات انسان کے قریب نہیں آتے۔ ہاں جو تکلیف انسان کیلئے مقدور ہو۔ بس وٹرک میں چند پونڈ ہوا ڈال کر سینکڑوں من بوجھ اس میں لادا جاتا ہے مگر ٹائر دبتا نہیں کیونکہ جو ہوا ٹائر میں ڈال دی گئی ہے اس میں اتنی قوت اور طاقت ہے۔ کہ سینکڑوں من وزن کا مقابلہ کرسکے۔ مگر انسان پر لاکھوں پونڈ ہوا کا دباؤ ہر وقت رہتا ہے مگر وہ نہ دبتا ہے اور نہ اس ہوا کی کسی قوت وطاقت کا اس پر کوئی اور اثر ہوتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ لاکھوں فرشتے ہر کسی کی خدمت وحفاظت میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ آپ کا یہاں آنا ہی صرف باعث برکت نہیں بلکہ آپ کے ساتھ وہ فرشتے یعنی باڈی گارڈ بھی یہاں تشریف آوری کرچکے ہیں جن کا آنا مزید برکات وفضائل کا باعث ہے۔

محترم حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا یہ ملک انگریزوں کے ماتحت تھا۔ انگریزوں نے تسلط حاصل کرنے کے بعد قریباً ڈیڑھ سو برس حکومت کی۔ مسلمانوں کی عادات وروایات بدلنے کے ساتھ یہ بھی کوشش کی کہ اس ملک کی آبادی کو عیسائی بنائیں۔ اس مقصد کیلئے یہاں مشنری ادارے قائم کئے، پادری بھیجے تشدد اور لالچ سے بھی کام لیا۔ اگرچہ چند نیک لوگوں نے مقابلہ بھی کیا لیکن جو قسمت میں مقدر ہوتا ہے، وہی ہوتا ہے۔ شامت اعمال کا نتیجہ تھا کہ انگریز، سکھ اور ہندو مسلمانوں پر مسلط رہے۔ ہندوستان کی سڑکوں کے دونوں طرف درجنوں علماء کو پھانسی سے لٹکایا گیا۔ غرض جتنی زیادتیاں باطل قوتوں نے مسلمانوں کو دبانے کے لئے چاہیں کرلیں۔ اس افسوسناک دور میں ہندوستان کے چند علماء نے سوچا کہ انگریز سامراج اور عیسائیت

کا مقابلہ جنگ سے تو ناممکن ہے ۔ نہ قوت وطاقت اور نہ ذرائع حرب سے ان علماء کا مقصد اسلام کو بچانا تھا چنانچہ علماء میں سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور مولانا محمد قاسمؒ نے انگریزی سامراج اور ان کی عیسائی مشنریوں سے آزادی اور چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ایک مضبوط قلعہ بنانے کا ارادہ کرکے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈال دی۔ ابتداء میں ایک طالب علم اور ایک استاد تھے ۔ دونوں کا نام محمود ہے ۔ انار کے درخت کے نیچے ایک چھوٹی سی مسجد میں بسم اللہ کرتے ہیں دل میں ارادہ انگریز کے تسلط کو ختم کرنا ہے ۔ لوگ مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ چند مولوی کیا کر سکتے ہیں ، اور کیا کریں گے ۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس عظیم مدرسہ نے کیسے کیسے رہنمایانِ ملت کو پیدا کیا ، جن کی قیادت کی بدولت مسلمانانِ ہند میں حرّیت کا جذبہ بیدار ہوا اور مسلمان انگریزی استعمار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اس مدرسہ کی آج یہ حالت ہے کہ دنیا کے ہر کونے میں کوئی نہ کوئی دارالعلوم دیوبند کا فارغ التحصیل موجود ہوگا ۔ جو اشاعتِ اسلام اور تدریس وتعلیم و دیگر فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہوگا ۔

ابھی حال ہی میں ہمارے علماء کے ایک وفد نے عراق اور کویت وغیرہ کے دورہ کرنے کے بعد اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان ممالک میں نماز کی امامت کرنے والے بھی تہذیبِ مغرب میں ڈوبے ہوئے ہیں ۔ آج برّصغیر ہند میں ۳۰ کروڑ مسلمان دارالعلوم دیوبند کی بدولت اپنے دینی تہذیب اور تشخص کو برقرار رکھے ہوئے ہیں ۔ اس مدرسہ اور اس سے فیض یافتگان نے سینوں اور سفینوں میں دین کو جمع کیا ۔ ربّ العزت کے اس فرمان کے مطابق اِنّ الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا ۔" ترجمہ : والیانِ ملک جب کسی بستی میں داخل ہو جاتے ہیں اسکو تہ وبالا کر دیتے ہیں ۔

انگریز نے عیسائی واستعماری انقلاب لانے کی کوشش کی اور برّصغیر ہند میں ہر قسم کا فساد جو ان کیلئے ممکن ہوسکا پھیلایا مگر پھر بھی وہ دین کو ختم نہ کر سکے ۔ کیونکہ اسی مدرسہ کے فرزندان نے ان کا مقابلہ کیا جیسا کہ بیشمار ملکوں میں آج بھی کفر واسلام کا مقابلہ جاری ہے ۔ مگر علماءِ حق کفر کے خلاف سینہ سپر ہیں ۔ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ۱۹۵۷ء کی جنگ میں اور اس کے بعد انگریزوں کا مقابلہ مولوی نے کیا ۔

یہ ادارہ دارالعلوم حقانیہ بھی اس دارالعلوم کا فیض ہے ۔ پاکستان قائم ہونے کے بعد ہم نے یہاں آکر سوچا کہ سب سے پہلے دین کی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہیئے ہمارے سامنے اپنے بزرگوں کا نمونہ اور کارگذاری تھی ۔ چنانچہ اس دارالعلوم کی بنیاد ڈالی گئی تاکہ یہاں سے بھی ایسے علماء وفضلاء پیدا کئے جاسکیں جو دین کے دشمنوں کے خلاف ہر وقت ہر میدان میں صف آراء ہیں چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ عرصہ دراز سے مشرقِ وسطیٰ میں جنگ و حالتِ جنگ جاری ہے ۔ ایک طرف مٹھی بھر بائیس لاکھ یہودی اور دوسری طرف بارہ کروڑ مسلمان جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے مادی ومالی وسائل سے مالا مال کیا ہوا ہے ۔ مگر پھر بھی ہر وقت مسلمانوں کو شکست وریخت کا

سامنا کرنا پڑھ رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کبھی بیت المقدس پر قبضہ، کبھی بیروت میں مسلمانوں کا قتل عام اور کہیں اور مظالم اور رسوائیوں سے مسلمان دوچار ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں نے مغربی تہذیب کو اپنا کر اپنے اسلامی تمدن و روایات کو بھلا دیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں روس جیسا قوی اور دیو قامت ملک ہے۔ اور چند ہزار بے بس افغان مجاہدین جو دینی جذبہ جہاد سے مالا مال ہیں کے مقابلہ میں بے بس ہے۔ اگرچہ حکومت پاکستان افغان مہاجرین کو پناہ دینے کی حد تک اعانت کر رہی ہے۔ مگر کوئی ملک پاکستان سمیت ان مجاہدین کو فوجی امداد نہیں دے رہا۔

یہ برکات اور کامیابیاں رب العزت کے فضل اور ان علماء کی قربانیوں کی وجہ سے ہیں۔ گلگت چترال سے کر کوئٹہ پشین تک تمام سرحد پر اس مدرسہ کے فضلاء اور دیگر علماء اور طلباء اور کمیونسٹ فوج کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ آج اگر اس طرح اسلامی مدارس مشرق وسطیٰ میں بھی ہوتے تو وہ حالات نہ ہوتے جن کا آج وہاں کے مسلمان سامنا کر رہے ہیں جسطرح کہ اکابر دیوبند نے انگریز کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دارالعلوم قائم کیا۔

تقسیم کے بعد جب ہم پاکستان آئے نئی نئی حکومت بن چکی تھی۔ کوئی وزیر نئے کارخانوں پر اصرار کر رہا اور کوئی فوجی قوت کو بڑھانے پر مصر تھا، غرض ہر شعبۂ اقتصاد و معاش کو ترقی دینے پر بیانات زور و شور سے دیتے جا رہے تھے اور صنعتوں وغیرہ کے لگانے کے اعلانات ہوتے رہے۔ مگر کسی دینی دارالعلوم کے قیام کا اعلان کسی نے نہ کیا حالانکہ جس نظریئے کے تحت یہ ملک معرض وجود میں آیا تھا اس کے پیش نظر تو دینی اداروں کے قیام و استحکام کیطرف فوری توجہ دینی چاہیئے تھی۔ اس زمانہ کے ایک وزیر سے پوچھا گیا کہ دین کی ترویج کیلئے کیا قدم اٹھایا جائیگا اور کسی قسم کا ادارہ بنایا جائے گا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم سوچ رہے ہیں۔ لیکن ہم جو ادارے بنائیں گے وہ دارالعلوم دیوبند کی طرح نہیں ہوں گے۔ بلکہ جامعہ ازہر جیسے آزاد خیال دینی ادارے بنائیں گے۔

بہر حال ہم نے بھی اسلامی نظریہ اور اسکی حفاظت و اشاعت کی بناء پر اللہ کا نام لے کر بغیر کسی اعلان اپیل و تشہیر و بلا کسی چندے اکوڑہ خٹک کی ایک چھوٹی سی مسجد میں کام شروع کر دیا۔ اللہ کے فضل و کرم سے اب یہ دارالعلوم اور اس کے اثرات آپ کے سامنے ہیں۔ اس کے فضلاء جہاد کے سربراہ ہیں۔ مفتی ہیں، مدرس ہیں، معلم ہیں، سیاسی زعماء ہیں اور دیگر مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اسلام کی تعلیمات کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ ملک کے ایک سابق صدر نے کہا تھا کہ ہم ایک دارالعلوم دیوبند کے اثرات کو زائل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہاں تو گھر گھر ہی دینی مدارس بن رہے ہیں۔ موجودہ صدر تو بحمداللہ دیندار ہے اور ملک میں نظام مصطفیٰ قائم کرنے کا بھی خواہاں ہے۔ رب العزت اسے حقیقی معنوں میں ترویج

باقی ص پر

انٹرویو ۔ اخبار العالم الاسلامی، مکّہ
ترجمہ ۔ تعمیرِ حیات، لکھنؤ

نومسلم فرانسیسی عالم
موریس بوکائی ——— سے ——— ایک انٹرویو

ڈاکٹر موریس بوکائی فرانسیسی محقق سرجری کے ماہر ہیں۔ قرآن کے مطالعہ و تفسیر اور قرآن کی اصلی زبان میں تلاوت کی غرض سے پچاس برس کی عمر میں عربی زبان سیکھی۔ ابتدا میں علمی حقائق اور دینی تعلیمات میں تطبیق کی تلاش و مطالعہ کیا، پھر ۱۹۷۶ء میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب "قرآن، انجیل اور سائنس" تالیف کی۔ اس کے بعد ایک دوسری کتاب "اصل الانسان" کے نام سے تصنیف کی، اس میں جدید سائنسی اور کتب سماویہ کے بعض جوابات تحریر فرمائے۔ کیتھولک کنیسہ نے موصوف کی اس کوشش کا اعتراف کیا جس کی بنا پر موصوف یورپ ہی نہیں بلکہ چار دانگ عالم میں مشہور و معروف ہوئے، عالمی یونیورسٹیوں میں موصوف کے محاضرات ہوتے رہتے ہیں۔ موصوف اپنی غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ بحث اور علمی تحقیق و تدقیق سے بڑے بڑے اہلِ علم کو اپنا ہمنوا اور اپنے خیال کا قائل بنا لیتے ہیں کہ قرآن کسی بشر کا قول نہیں اللہ کیطرف سے وحی ہے۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

ڈاکٹر بوکائی کی نظر میں ان نتائج پر علماء مغرب کی حیرت و استعجاب کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ مغرب ایک مدت تک اسلام سے ناآشنا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط ترین اور زہریلے افکار و نظریات کے حامل رہے، اور یہ جان نہ سکے کہ دیگر کتب سماویہ کے برخلاف قرآن کریم مسخ و تحریف سے محفوظ ہے وہ ہر زمان و مکان کی رہنمائی کی صلاحیت اور ہر طرح کے نشیب و فراز کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چودہ صدیوں سے کائنات، انسان اور اسکی خلقت کے ایسے بیشمار حقائق اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جن کا خاطر خواہ علم انسان کو اس دورِ جدید میں آکر ہوا۔ اب بھی اس کے بہت سے حقائق پردۂ خفا میں ہیں۔

ذیل میں ہم ڈاکٹر موریس بوکائی سے لئے گئے ایک انٹرویو کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ یہ انٹرویو مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والے ہفت روزہ "اخبار العالم الاسلامی" کے نمائندہ نے لیا ہے۔

قرآنِ کریم میں سائنسی معلومات

س: قرآن کریم اور دیگر کتب سماویہ کے مطالعہ کا اتنا زبردست داعیہ آپ کے اندر کیسے پیدا ہوا اور کیونکر؟

ج — فرانس کی زندگی میں عام شہریوں کی طرح میں نے بھی اسلام کے متعلق صرف یہ جانا کہ "اسلام محمد نامی ایک عبقری اور جینیئس شخص کا گڑھا ہوا دین ہے۔" تقریباً ۵۰ برس تک اسلام کے متعلق میرا یہی تصوّر رہا۔ پھر ربِ کریم کی عنایتوں سے میں سرجری کا طبیب ہُوا۔ مریض میرے پاس آتے تو میں ان کے سامنے اسلام کا مسیحیت سے موازنہ کرتا۔ اس بحث و مباحثہ کے دوران بعض لوگوں نے مجھے بتایا کہ اسلام کے متعلق میرے خیالات یکسر غلط ہیں۔ اوّلاً تو میں نے انہیں کی تغلیط کی، لیکن جب بعض لوگوں نے مجھے وقتاً فوقتاً قرآنی حقائق اور بعض دستاویزیں دکھائیں اور میں نے از سرِ نو غور و فکر کی تو مجھے یہ محسوس ہُوا کہ وہ اپنے قول میں حق بجانب ہیں اور میں سراسر غلطی پر ہوں بلکہ خود میرے اساتذہ غلطی پر ہیں۔ اس طرح کتب و مجلّات ٹیلی ویژن اور نشریاتی پروگرام میں میں نے جو کچھ پڑھا، دیکھا اور سنا تھا سب پر یک قلم خطِ نسخ پھر گیا۔ لیکن میں حیرت میں ہوں کہ اپنے موقف و رویہ میں میں اعتدال کہاں سے لاؤں اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کس طرح کروں۔

س — یہ کب پیش آیا۔؟

ج — فاتیکان کی آٹھویں کانفرنس کے بعد روشن ضمیری اور توسع کی روح بیدار ہونے سے پہلے یعنی ۱۹۲۶ء سے قبل جب کہ فرقہ وارانہ احساس شدّت پر تھا اور مسلمان و مسیحیوں کے درمیان براہِ راست کسی طرح کی گفتگو نہیں ہوتی تھی۔

س — اس کے بعد آپ کا کیا عمل رہا؟

ج — اس کے بعد میرے سامنے ایک ہی راہ تھی کہ میں قرآن کی اصلی زبان میں قرآن کا مطالعہ کرنے کے لئے عربی زبان سیکھوں۔ الغرض میں نے عربی زبان سیکھنا شروع کر دی اور تقریباً دو سال تک محنت و شوق سے اس مہم کو سر کرنے میں لگا رہا۔ بالآخر میں نے عربی زبان سیکھ لی اور بآسانی دینی و علمی دونوں حیثیت سے قرآن کا مطالعہ کرنے کے لائق ہو گیا۔

س — مطالعہ نے آپ کو کیا دیا۔؟

ج — مطالعہ سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن اللہ کی وحی ہے۔ کسی بشر کا قول قطعاً نہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔

نظریۂ ڈاروِن

س — آج جب کہ دنیا ڈاروِن کا صد سالہ جشنِ وفات منا رہی ہے تو کیا آپ ڈاروِنی نظریہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔؟

ج ـــ جی ہاں میں ڈارون کے نظریہ کا شدت سے مخالف ہوں ۔ ڈارون کا نظریہ سراسر خطا پر مبنی ہے ۔ ڈارون کے نظریہ کی بنیاد ایسی علمی تحقیقات پر نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ انسان اور ڈارون کے ایجاد کردہ نسلی ارتقا میں کس طرح کا علاقہ ہے ۔ یہ محض ایک مادیّت پرست شخص کے غلط اندازے ہیں ۔ میری کتاب "اصل الانسان" میں ڈارون کے اوپر ایک مبسوط مقالہ ہے ۔

علماء کے جرائم

س ـــ کیا ڈارون کو اپنی غلطی کا علم تھا ۔ ؟

ج ـــ جی ہاں ! مادیت کی نمائندگی کرنے والے بہت سے علماء نے بیشمار نظریئے ایجاد کئے جن میں اکثر و بیشتر غلط ہیں ۔ طرّہ یہ کہ انہیں اس کا علم بھی ہے ۔ لیکن مادی ہونے کے ناطہ اپنے اس عمل پر قائم ہیں ۔ میں نے آپ کو جو کتاب ہدیہ کی ہے اس میں میں نے اس سلسلہ میں بعض علماء پر تنقید کی ہے ۔ ان میں سے بعض نے نوبل پرائز بھی حاصل کر لئے ہیں ۔

س ـــ فرانس سے باہر کی دنیا میں آپ کی تحریروں کا براہ راست کچھ اثر ہے ۔ ؟

ج ـــ جی ہاں ، ابھی چند دن قبل میں نے شمالی اور مغربی افریقہ کا سفر کیا وہاں حقیقت انسان ، قرآن کریم انجیل اور سائنس کے اوپر میرے دسیوں محاضرے ہوئے ۔ محاضرہ کے بعد دسیوں طلبہ میرے پاس خراج تحسین ادا کرنے آئے ، کیونکہ اس محاضرہ سے ان کے سامنے بہت سے ایسے حقائق آگئے جن سے تمام علوم خصوصاً حقیقت انسان کے متعلق قرآن کے بیان کردہ نظریات کی حقانیت کھل کر سامنے آگئی ۔ بعضوں نے تو یہاں تک اعتراف کیا کہ پہلے اسے اپنے ایمان ویقین میں تردد و تذبذب تھا ۔ لیکن میری تحریروں کو پڑھ کر یا میرا محاضرہ سن کر اس کی دنیا ہی بدل گئی ، ایمان ویقین میں پختگی آگئی اور وہ شرح صدر کے ساتھ نمازیں پڑھنے لگا ـــ ایمان ویقین کے اس تذبذب کا اصل سبب یہی تھا کہ بعض علماء نے خود ساختہ نظریات پیش کئے اور پڑھنے والوں نے اسے قطعی اور آخری سمجھ لیا ۔

تھیوریوں کا سمِ قاتل

س ـــ حقیقتِ انسان کے بارے میں سائنس کیا کہتی ہے اور اس سلسلہ میں مذہب و سائنس میں تضاد کیوں ہے ۔ ؟

ج ـــ میں نے اپنی کتاب "اصل الانسان" میں یہ واضح کرنے کی پوری کوشش کی ہے کہ سائنس کی نظر میں کیا چیز مشکوک و محتمل اور کیا چیز قطعی و یقینی ہے ۔ نیز ان نظریات سے بھی بحث کی ہے جن کی علماء نے تائید کی لیکن اب ان کی بنیاد منہدم ہو رہی ہے ۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء میں ڈارون نے جب "اپنی کتاب

" اصل الانواع " کی اشاعت کی تو اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ حیوانات آپس میں نشو و نما پا سکتے ہیں۔ لیکن سائنٹفک دلائل سے یہ بات ثابت نہیں کی کہ انسان کا نسب نامہ بندروں سے جاملتا ہے۔

س ۔۔ پھر آخر یہ کس کی کارستانی ہے ؟

ج ۔۔ اصلاً دوسرے لوگوں نے اس کے نظریات کو مسخ کر کے غلط باتیں اس کی جانب منسوخ کر دیں جس میں یہ دعویٰ بھی تھا کہ انسان کی حقیقت بندر ہے لیکن ڈارون نے ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں انگلتان میں ڈارون کے مؤیدین اور پادریوں کے درمیان وہ مشہور مباحثہ ہوا جس میں ہر ایک نے دوسرے کو بدکلامی کا نشانہ بنایا۔

اس طرح کے سوالات کے پیشِ نظر سائنسی تحقیقات اور علماء کے پیش کردہ نظریات میں فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔

اناجیل کی فروگذاشتیں

س ۔۔ بحث و تمحیص سے کتاب مقدس کی سائنسی غلطیاں نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہیں۔ تو کیا قرآن کے بھی سائنسی حقائق، سائنس کے مسلمات سے ٹکراتے ہیں ؟

ج ۔۔ غیر مسلموں کی مقدس کتابیں مختلف اوقات میں مختلف اشخاص کے واسطے سے نقل ہوتی رہی ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے قدیم کتاب " یہوا " ہے جو کہ قبل مسیح نویں اور دسویں صدی کے درمیان لکھی گئی۔ اس کتاب کی ضخامت اگرچہ بہت کم ہے لیکن زمانہ ماضی میں اس سے زیادہ جامع کوئی کتاب نظر نہیں آتی پھر عہدِ قدیم کی دوسری کتاب " الخاص بصلاحیات الرھبان " (ساکرد و تال) چھٹی صدی قبل مسیح میں سامنے آئی۔ یہ کتاب موجودہ اناجیل کے مقدمہ کی حیثیت سے جانی جاتی ہے۔ یہ کتاب کائنات کی تخلیق، دنیا میں انسان کے ظہور اور پھر اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کی حکایتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد انجیل کا نزول ہوا لیکن عہدِ جدید کی کتابوں سے خلق انسان کے مسئلہ پر زیادہ روشنی نہیں پڑتی بلکہ عہدِ قدیم ہی کی تکرار نظر آتی ہے، جیسا کہ سینٹ لوک کی انجیل میں ہے۔ اس کے بعد قرآن کا ظہور ہوا۔ قرآن نے انسان کے بارے میں وہ بیش قیمت مواد فراہم کر دیا جو جدید و قدیم دونوں ہی عہد کی کتابوں میں مفقود نظر آتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انجیل وغیرہ کی طرح قرآن ہر طرح کی غلطیوں سے مبرا ہے۔

س ۔۔ قرآن کی بجائے دیگر مقدس کتابوں میں اس کثرت سے غلطیوں کے پائے جانے کی آپ کے نزدیک کیا توجیہ ہے۔؟

ج ۔۔ جن لوگوں نے مقدس کتابوں کو بزعم خود الہام الٰہی کی بنیاد پر مرتب کیا دراصل ان کی ساری کاوش

فکر، وقت اور ماحول کی صدائے بازگشت تھی۔ انہوں نے انسان اور اس کی خلقت کا تصور ربانی حیثیت سے پیش کیا۔ لیکن اس میں بھی وقت کی شہور روایات و رسوم اور زمانہ کے رائج مفاہیم کا عکس تھا، تمام کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مفسرین کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے۔

س ـــ کیا کنیسہ کو بھی اس کا اعتراف ہے۔؟

ج ـــ جی ہاں، کنیسہ کو بھی اس کا اعتراف ہے جیسا کہ واتیکان کی دوسری کانفرنس نے عہد قدیم و جدید کی کتابوں کے وحی ہونے کا اعلان کرتے وقت یہ بات کہی تھی کہ "بعض اناجیل محدود و ناقص مفاہیم پر مشتمل ہیں"۔

س ـــ اس سلسلہ میں آپ کا قرآن کے بارے میں کیا خیال ہے۔؟

ج ـــ یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے ویسے مفسرین نے مجھے بتایا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے آپ پر نازل ہوا ہے۔ میں نے قرآن کا مطالعہ کیا تو مجھے اس میں کسی طرح کا علمی مغالطہ نظر نہیں آیا بلکہ میں نے یہ محسوس کیا کہ قرآن میں جو معارف و حقائق مضمر ہیں وہ ۱۴سو سال کی پوری تاریخ میں سطح انسانی سے بالاتر ہیں۔ یہ بات بجائے خود اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور کسی بھی انسان کے بس کی بات نہیں (چاہے وہ فیلسوف زمانہ اور علامۃ الدہر ہی کیوں نہ ہو) کہ وہ قرآن کی طرح ان علمی حقائق کی گرہ کشائی کر سکے جو کہ جدید سائنس کے نظریات سے تال میل کھا سکیں۔

جو چیز سائنس کا ساتھ نہیں دیتی وہ انجیل کا یہ نظریہ ہے کہ "انواع" کا وجود تو ہے لیکن اس میں کسی طرح کا تصور نہیں ہوا۔ لیکن قرآن کی رو سے انسان نسلِ انسانی کی پوری تاریخ میں مختلف انقلابات سے گذر رہا ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مسیحیوں کو اپنی کتاب مقدس کی غلطیوں سے باخبر ہونے کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ چونکہ میں اپنے مطالعہ میں انصاف پسند اور غیر جانبدار واقع ہوا ہوں اس لئے مجھے اس طرح کے موضوع پر اظہارِ خیال کی بار بار دعوت دی گئی۔ ہر جگہ میں نے دینی نقطۂ نگاہ سے قطع نظر علمی نقطۂ نگاہ سے موضوع پر اظہار خیال کیا، علمی حیثیت سے جو چیز قابلِ قبول نظر آئی اسے عوام کی خدمت میں پیش کیا اور جو بات محلِ غور نظر آئی اسے تنقید کی کسوٹی پر رکھا۔

س ـــ کیا آپ مسلمان ہیں۔؟

ج ـــ میں نے شروع ہی میں یہ بات بتا دینا چاہی تھی کہ قرآن کی بار بسم اللہ بھی جاننے سے پہلے میرا یہ عقیدہ تھا کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور جب خدا نے مجھے قرآن کے مطالعہ کی توفیق دی تو میرا دل خود بول اٹھا کہ قرآن اللہ کی وحی ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے اپنی کتاب "قرآن، انجیل اور سائنس" میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ میری یہ کتاب مسیحی دنیا میں بہت جلد خلعت

قبولیت سے سرفراز ہوئی۔ اس کتاب میں میں نے اپنی دینی صورت حال ظاہر کئے بغیر محض علمی حیثیت سے مباحث کا جائزہ لینے پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ میں دنیا کے سامنے علمی حیثیت سے آنا چاہتا ہوں۔ رہی عقیدے کی بات تو دل کا حال خدا سے مخفی نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر میں نے اپنے دین و ایمان کی حیثیت ظاہر کر دی تو لوگ یہ کہیں گے کہ یہ کوئی فلاں دینی نقطہ نگاہ سے لکھتا ہے۔ اور اس کے سارے مسائل دین و ایمان سے تعلق رکھتے ہیں جن میں دینی جذبات کا دخل ہوتا ہے۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ میں اپنے ابنائے جنس کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس لئے میں انہیں اس بات کی یقین دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ میں جو کچھ کہتا ہوں خالص علمی نقطہ نگاہ سے کہتا ہوں۔ اس سوال کا میں نے ہمیشہ یہی جواب دیا ہے۔

س — یہ جواب اطمینان بخش ہے لیکن دل کی مناسبت سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ دل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔؟

ج — بدن کے ظاہر و محسوس عضو کا نام دل نہیں۔ دل ایک جوہر ہے۔ دل ایک نور ہے۔

دعوات اسلامیہ کا مستقبل

س — مغرب میں دعوت اسلامیہ اور اس کی سرگرمیوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔؟

ج — بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ قوم کو اس کی عام فہم زبان میں مخاطب کیا جائے۔ زبان یہاں اپنے وسیع مفہوم میں ہے یعنی دعوت کے جن اصول و ضوابط کی طرف عوام کو دعوت دی جارہی ہے ان اصول و ضوابط کے پیش کرنے کے لئے وہی اسلوب اپنایا جائے جو عوام میں معروف و مقبول ہو۔ میں نے اپنی کتاب "قرآن، انجیل اور سائنس" میں قارئین کو قرآنی .... حقائق سے آشنا اور اپنے فکر سے روشناس کرانے کے لئے ایک نیا طرز اپنایا۔ مسیحی حکام نے اس کی تحسین کی اور قرآن کی ماہیت کو سمجھنے کے لئے اسے ایک کامیاب اسلوب قرار دیا۔ میرا یہی منصفانہ اور غیر جانبدارانہ نقطۂ نظر میری دونوں کتابوں کی اشاعت کا سبب بنا چنانچہ اولاً میں نے مسیحیوں کے مرکز توجہ اور ان کے عام فہم اسلوب کا پتہ لگایا۔ پھر مجھے یہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ان دونوں کتابوں کی اشاعت کے بعد مختلف جلیل الشان علماء و مثقفین و محققین اور بعض سادہ لوح اشخاص کی طرف سے میرے پاس خطوط آئے جن میں انہوں نے میرے مطالعہ قرآن اور نتیجۂ فکر سے دلچسپی اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اور اس بات پر اتفاق ظاہر کیا کہ قرآن کسی بشر کی ذہنی پیداوار نہیں۔ مثلاً انجیل کے متعلق میں نے جو کچھ اظہار خیال کیا اور اسکی جن غلطیوں کی نشاندہی کی اس سے انہوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔ چند دنوں قبل مجھے چند اہم مسیحی شخصیتوں کے ساتھ ایک عصرانہ دیا گیا۔ جس میں انہوں نے میرے اسلامیات سے متعلق لٹریچر پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا، مزید برآں اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے بعض تفاسیر کے نام دریافت کئے۔

تشویشناک تفسیریں

س — آپ نے کن تفاسیر کا مشورہ دیا ؟

ج — افسوس کہ فرانسیسی زبان میں ایسی تفسیریں بہت کم پائی جاتی ہیں جو ان کے حق میں اطمینان بخش ثابت ہوں اور جن سے ان کی مقصد برآری ہو سکے ۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم تفسیر ڈاکٹر حمید اللہ کی ہے لیکن یہ کسی حد تک تشنہ ہے ۔ اسی طرح سے حمزہ ابوبکر کی بھی تفسیر اہمیت کی حامل ہے ۔ لیکن اس میں بھی کچھ ترمیم و اضافہ کی ضرورت ہے ۔ اس وقت کی تفاسیر قارئین کے حق میں تشویشناک ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر قرآن کی بہتر سے بہتر تفسیر کی جائے ۔ ویسے میری شخصی رائے یہ ہے کہ قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اولاً عربی زبان سیکھنی چاہئے کیونکہ بہت سے مفسرین قرآن ، قرآن کے تمام مباحث میں مہارت نہیں رکھتے اس لئے اکثر وہ ان مباحث میں لغزش کھا جاتے ہیں جن میں وہ متخصص نہیں ہوتے ، مثلاً جس شخص نے سائنس میں اختصاص نہیں کیا ہے ۔ وہ قرآن کی ان سو آیتوں کی تفسیر نہیں کر سکتا جن کا تعلق علوم طبیعات سے ہے ، صاحب طرز ادیب ہونا بھی قرآن کی تفسیر و توضیح کے لئے کافی نہیں ۔

قرآن کی غلط تفسیر

س — قرآن کی غلط تفسیر کی کوئی مثال آپ کے ذہن میں ہے ؟

ج — مثلاً خلق الانسان من علق ۔ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بہت پیچ و تاب کھایا اور ان سے اس کی کوئی صحیح تفسیر نہ ہو سکی ۔ مفسرین کے نزدیک علق سے مراد دم منجمد ہے ۔ حالانکہ یہ تفسیر علق یعلق (یعنی خون دیوار رحم سے چپک جاتا ہے ۔) کا صحیح مفہوم نہیں ادا کر رہی ہے ۔ اس لئے "علق" کی تفسیر دم منجمد سے کرنا صحیح نہیں کیونکہ انسان دم منجمد سے نہیں پیدا ہوا ہے ۔ بعینہ یہی غلطی یوسف علی سے بھی ان کی انگریزی تفسیر میں ہوئی ہے ۔

ان غلطیوں کے اثرات یہ پڑیں گے کہ قرآن کو حقیقت حال سے غیر مطابق سمجھا جانے لگا اور ذہنوں میں یہ تصور جم جائے گا کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ۔ ٹھیک یہی بات دیگر مقدس کتابوں میں پیش آئی ۔ اس کا متقاضی ہے کہ تفسیر میں صحت کے التزام کے ساتھ ساتھ ترمیم ہوتی رہنی چاہئے ۔ اور تفسیر سے عملاً قرآن کی غرض و غایت بھی حاصل ہونی چاہئے ۔ غلط تفسیر سے (حتیٰ کہ تاریخی و غیر تاریخی مسائل میں بھی) متوقع مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے ۔

س — کیا قرآن کی کوئی ایسی بات بھی ہے جو آپ کی سمجھ میں نہ آسکی ہو ۔ ؟

ج — علمی ناحیہ سے تو ساری باتیں سمجھ میں آگئی ہیں ۔ البتہ قرآن کے دوسرے بہت سے مباحث ابھی

سمجھ میں نہیں آسکتے ہیں۔

سائنس کی بعض تحقیقات ابھی حال کی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقا من بعد خلق فی ظلمات ثلاث۔ اس میں "ظلمات ثلاث" سے مراد وہ تین پردے ہیں جن سے بچے کی حفاظت ہوتی ہے۔ علمی حیثیت سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے۔ اور سائنس میں اس کے مشہور و معروف نام بھی ہیں۔

حقیقت انسان کی ایک فلم

س ـــ اب آپ کی سرگرمیاں کیا ہیں۔؟

ج ـــ اس وقت ہم سائنس قرآن اور حقیقت انسان پر ایک فلم تیار کر رہے ہیں۔ دراصل ملیشیا سے میرے تعلقات بہت گہرے ہیں۔ وہاں دعوت اسلامیہ کی صوبائی مجلس نے قرآن پر ایک فلم تیار کرنے کی تجویز پاس کی اور فلم ساز کمپنی کے ڈائریکٹر فلم کی پلاننگ کے لئے پیرس آئے۔ یہ فلم مختلف رنگوں والی ہے۔ فلم ۵۵ منٹ کی ہے اس میں سے ۴۵ منٹ میں حقیقت انسان، سائنس اور قرآن کے متعلق میں کچھ باتیں پیش کرتا ہوں۔ بقیہ دس منٹ میں قرآن اور اس کے متعلقات کی تاریخ بیان کی جاتی ہے۔ اس فلم میں قرآنی آیات لکھی ہوئی نظر آئیں گی۔ اس طرح یہ فلم بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ اس کے لئے ۶ لاکھ ڈالر کی خطیر رقم فراہم کی گئی ہے۔

اس فلم کو تیار کرنے کا کام فروری سے شروع ہوچکا ہے۔ ابتدا میں پانچ زبانیں رہیں گی۔ آخر تک دس زبانوں میں کرنے کا منصوبہ ہے۔ اس فلم کی سب سے پہلی زبان انگریزی، پھر عربی و فرانسیسی پھر دوسری زبانیں ہوں گی۔ اس فلم کو پوری دنیا میں بھیجا جائے گا۔

س ـــ غالباً آپ مومیائے فراعنہ کے متعلق کوئی کتاب تالیف کر رہے ہیں۔ اس وقت تک کتاب کا کتنا حصہ مکمل ہوچکا ہے۔؟

ج ـــ جی ہاں، یہ کتاب طب اور مومیائے فراعنہ کے متعلق ہے۔ اس کتاب میں کافی صرفہ آئے گا کیونکہ اس کی اشاعت کے لئے پچاس کالم تصویروں کا ہونا ضروری ہے۔ مادی دشواریاں اگر حل ہوگئیں تو جلد ہی یہ کتاب منظر عام پر آجائے گی۔ میری اس کتاب میں بھی قرآن کے بہت سے معارف و دقائق ضمناً آگئے ہیں۔

س ـــ آپ کی اس نوازش کا شکریہ! بارك الله فيك۔

ج ـــ یہ میرا فریضہ تھا اور عزت مآب شیخ محمد علی حرکان اور رابطہ کے تمام متعلقین کے حق میں میرا سلام اور ان کے لئے میرے دلی جذبات اور نیک تمنائیں۔

=

حکیم سید محمود احمد برکاتی

سرسید — ایک مورخ کی حیثیت سے

سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ــــ۱۸۹۸ء) ۱۹ویں صدی کی ایک اہم شخصیت تھے۔ وہ ایک سیاسی وسماجی مدبر و قائد بھی تھے اور ادیب و مصنف بھی، اور ان دونوں جہتوں سے مسلسل، موضوع بحث و گفتگو بھی رہے ہیں۔ ان کی بیشتر تحریروں کے موضوعات دینی یا سیاسی یا تاریخی ہیں۔ ان کے رسائل کی زیادہ تعداد تاریخ و سیرت سے متعلق ہے، ان کی سب سے پہلی اور سب سے آخری کتابیں بھی تاریخ و سیرت ہی کے موضوع پر ہیں۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ ان کا رجحان تاریخ کی طرف زیادہ تھا۔

ان کے تاریخی رسائل و کتب کی ترتیب و تفصیل یہ ہے :-

۱۔ جامِ جم (۱۸۳۹ء)
۲۔ جلاء القلوب (۱۸۴۳ء)
۳۔ آثار الصنادید (۱۸۴۷ء)
۴۔ سلسلۃ الملوک (۱۸۵۲ء)
۵۔ تاریخ بجنور (۱۸۵۶ء)
۶۔ آئین اکبری (تدوین) (۱۸۵۶ء)
۷۔ تاریخ سرکشی ضلع بجنور (۱۸۵۹ء)
۸۔ لائل محمڈنز آف انڈیا (۱۸۶۱ء)
۹۔ تاریخ فیروز شاہی (تدوین) (۱۸۶۲ء)
۱۰۔ تزک جہانگیری (تدوین) (۱۸۶۳-۶۴ء)
۱۱۔ الخطبات الاحمدیہ (۱۸۷۲ء)
۱۲۔ قدیم نظام دیہی ہندوستان (۱۸۷۸ء)
۱۳۔ سیرت فریدیہ (۱۸۹۶ء)

ذیل میں ان میں سے چند کا جائزہ اور مطالعہ کیا گیا ہے۔ کہ وہ تاریخ نویسی اور قدیم کتب تاریخ کی تصحیح و تدوین میں کس حد تک کامیاب رہے اور اس طرح ان کا مورخانہ مقام کیا متعین ہوتا ہے؟

آثار الصنادید | سرسید کی تاریخی تصانیف میں اس کتاب کو خصوصیت حاصل ہے۔ اس کتاب کے ایک حصے (باب چہارم) میں ایک سو بیس خاصان حضرت دہلی کے سوانح ہیں اور ایک حصے میں دہلی اور اس کے اطراف کی تقریباً دو سو عمارات کا بیان ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ دوسری بار مصنف ہی نے اسے

باب چہارم حذف کرکے ۱۸۵۴ء میں شائع کیا تھا۔ تیسری بار ۱۸۷۶ء میں نولکشور پریس سے اور چوتھی بار ۱۹۰۴ء میں نامی پریس کانپور سے شائع ہوئی۔ پھر ۱۹۶۵ء میں (مقالات سر سید کے ۱۶ویں حصے کے طور پر) لاہور سے ۱۹۶۵ء میں دہلی سے اور ۱۹۶۶ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔ کراچی کا ایڈیشن نامور محقق ڈاکٹر سید معین الحق نے مرتب کیا ہے۔ اور اپنے محققانہ حواشی میں داد تحقیق دی ہے۔

آثار الصنادید کی تالیف میں سر سید نے سخت شاقہ برداشت کی۔ زر کثیر صرف کیا اور عمارات کے کتبے پڑھنے میں پر خطر ذرائع کے استعمال تک میں باک نہیں کیا۔ بحیثیت مجموعی دہلی کے آثار قدیمہ پر یہ ایک قابل قدر کتاب ہے۔

آثار میں سر سید نے بعض عمارات کی بنا و تعمیر کو غلط منسوب کر دیا ہے اور بعض دوسرے تسامح ان سے سرزد ہوئے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند کی نشان دہی مقصود ہے۔

۱۔ عمارات ہزار ستون، سلطان محمد بن تغلق (ف ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء) نے اپنے اختیار کردہ لقب عادل کی مناسبت سے عادل آباد کے نام سے جو شہر بسایا تھا۔ اس میں محلات شاہی کو ہزار ستون کہا جاتا ہے۔ اس عمارت کے متعلق سر سید کا بیان ہے کہ[۲]

"ہزار ستون سنگ خارا کے اس میں لگے ہوئے تھے۔"

مگر ابن بطوطہ جو محمد بن تغلق کے عہد میں دہلی آیا تھا اس کے ستونوں کو لکڑی کے بتاتا ہے[۳]

"اس کی بنا لکڑی کے ستونوں پر زمین سے بلندی پر رکھی۔"

۲۔ ست پلہ۔ سر سید نے اس کو سلطان فیروز شاہ کی تعمیر لکھا ہے[۴]

مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں دو مقامات پر اسے محمد بن تغلق کی تعمیر لکھا ہے۔ فان شا کی بھی یہی تحقیق ہے۔[۵]

۳۔ نیلا برج۔ سر سید نے اس کے بانی اور عہد بنا سے لاعلمی ظاہر کی ہے[۶]

یہ فہیم خان کا مقبرہ ہے جو خان خاناں عبدالرحیم خان کے عزیز اور ندیم تھے اور خان خاناں نے ۱۰۳۴ء میں بنوایا تھا۔[۷]

۴۔ مسجد قلعہ۔ سر سید نے اس کی تعمیر ہمایوں سے منسوب کی ہے حالانکہ یہ شیر شاہ نے ۱۵۴۱ء میں بنوائی تھی۔[۸]

---

[۱] باب چہارم "تذکرہ اہل دہلی" کے نام سے قاضی احمد میاں اختر نے ۱۹۵۵ء میں انجمن ترقی اردو کراچی سے شائع کیا تھا۔ مقالات سر سید میں بھی صرف یہی باب شائع کیا گیا ہے۔ عمارات دہلی کا حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔ [۲] آثار الصنادید مدونہ ڈاکٹر معین الحق کراچی ۱۹۶۶ء ص ۱۵۔ [۳] ص ۹۶ سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم مدونہ خان صاحب محمد حسین ایم اے لاہور ۱۸۹۸ء [۴] آثار طبع کراچی ص ۲۲ [۵] ص ۲۸۷ دہلی پاسٹ اینڈ پریزینٹ، لندن ۱۹۰۲ء، ڈاکٹر سید معین الحق [۶] ص ۳۴ آثار [۷] ڈاکٹر سید معین الحق ص ۳۲ [۸] ڈاکٹر سید معین الحق ص ۵۹۔

۵۔ کابلی دروازہ۔ سرسید نے اس کے عہد بنا سے لاعلمی ظاہر کی ہے، ڈاکٹر سید معین الحق لکھتے ہیں[۱]

"اس کی تعمیر غالباً شیر شاہ کے ابتدائی دور ۱۵۴۰ء میں ہوئی"

۶۔ مسجد قوت الاسلام۔ سرسید نے اس کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے کہ رائے پتھورا کے بناکردہ مندر کو توڑ کر سلطان معز الدین محمد بن سام نے اس بت خانے کی جگہ یہ مسجد تعمیر کرائی تھی[۲]

مگر ڈاکٹر سید معین الحق نے اس کی تردید کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:-

"دورِ جدید کے اکثر مورخوں نے قرونِ وسطیٰ کی تصانیف کے بیانات کو صحیح طور پر نہیں سمجھا اور ان کے الفاظ کے ظاہری معنی لئے ہیں جس سے بہت سے گمراہ کن نتائج اخذ کرنے میں ان کی سہولت ہوتی ہے"

ان کا بیان ہے کہ اس مسجد کی تعمیر قطب الدین ایبک (۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء) نے کروائی اور شمس الدین التمش ۶۳۳ھ/ نے اس کی توسیع کی اور اس موقعہ پر کسی مندر یا شکستہ عمارت کا ملبہ استعمال کرنے کی شہادت نہیں ملتی" (ص۶۵)

۷۔ حوض خاص۔ سرسید نے اس کا بانی فیروز شاہ کو لکھا ہے (ص ۱۰۹) مگر ڈاکٹر سید معین الحق نے ظفر نامہ تیموری کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ یہ علاء الدین خلجی (۱۳۱۹ء) نے بنوایا تھا اور اسی نے ابتداء میں یہ حوض علائی کہلاتا تھا۔ امیر تیمور نے دہلی پر حملے کے وقت اسی حوض کے کنارے اپنا کیمپ قائم کیا تھا۔ فیروز شاہ نے اس کی مرمت کرائی تھی۔ (ص۱۰۹)

سفرنامہ ابن بطوطہ کے مترجم و محشی مولوی محمد حسین نے سرسید کا تعاقب کیا ہے[۳]

"یہ غلطی سید صاحب کو کتبے سے واقع ہوئی ہے لیکن فتوحات فیروز شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ نے فقط اس حوض کو صاف کر کے اس کی مرمت کرائی تھی۔ یہ حوض دراصل سلطان علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا ہے"

۸۔ موٹھ کی مسجد کے بانی کے متعلق سرسید نے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ ڈاکٹر سید معین الحق نے خلاصۃ التواریخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ مسجد سکندر لودھی کے درباری طبیب میاں بھوہ خان بن خواص خان نے بنوائی تھی ص۱۱۱

۹۔ بیض ہر۔ اس کے متعلق سرسید نے لکھا ہے کہ یہ نہر فیروز شاہ کے سالار ... نے بنوائی تھی (ص ۱۵۷) مگر درحقیقت یہ فیروز شاہ خلجی نے ۱۲۹۰ء میں تعمیر کروائی تھی۔ (ڈاکٹر سید معین الحق)

تزک جہانگیری | اس کتاب میں جہانگیر نے ۱۰۱۴ھ سے ۱۰۳۱ھ تک کے حالات خود اپنے قلم سے لکھے اور بعد کے سالوں کے اپنے درباری معتمد خان سے لکھوائے ہیں[۴]

۱؎ ڈاکٹر سید معین الحق ص۸۶ ۲؎ آثار ص۶۶ ۳؎ سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم ص۴۷ ۴؎ معلوم نہیں کیوں۔ ڈاکٹر محمود حسین خان اور ڈاکٹر سید معین الحق جیسے فضلا نے سرسید کی تاریخ پر اپنے مقالات میں تزک جہانگیری کا مطلق ذکر نہیں کیا۔ فہرست تصانیف تک میں اس کتاب کا نام نہیں دیا۔

سرسید نے یہ کتاب ۱۸۶۴ء میں مدون کر کے شائع کی تھی۔ سرورق پہ اردو میں لکھا ہے :۔

"بہ تصحیح نیازمند درگاہ سید احمد بقالب طبع درآمد"

انگریزی میں ہے۔ ایڈیٹیڈ بائی سید احمد پرنٹڈ ایٹ ہز پرائیویٹ پریس ۱۸۶۴ اے ڈی/۱۲۸۱ ایچ

ابتدا میں ۱۲ صفحات کا مقدمہ ہے اس کے بعد پھر ایک سرورق ہے اس پہ انگریزی میں ہے۔

ایڈیٹیڈ بائی سید احمد خان غازی پور، پرنٹڈ ایٹ ہز پرائیویٹ پریس ۱۸۶۳ اے ڈی/۱۲۸۰ ایچ

تصحیح و تدوین کسی کتاب کے متعدد مخطوطات کو سامنے رکھ کر ایک صحیح نسخے کی ترتیب کا نام ہے۔ متن کے بیانات کے صواب و خطا کی ذمہ داری مدون پر نہیں ہوتی۔ اور مدون کا فرض سمجھا جاتا ہے کہ چاہے مصنف و ماتن کے بیانات اس کے عقائد سے متصادم ہی کیوں نہ ہوں اور چاہے عبارت بھی صرفی نحوی اغلاط ہی کیوں نہ ہوں ان کو جوں کا توں من و عن کسی کے حک و اضافے حتیٰ کہ اعراب کی تصحیح کے بغیر نقل کر دے۔ مدون کو یہ حق اور اختیار ضرور حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہیں مصنف کے بیان کی تصحیح و تغلیط کر دے۔ لیکن یہ بات تصحیح و تدوین کے اصول و روایات کے قطعاً خلاف ہے کہ وہ مصنف کی کسی عبارت کو گمراہ کن، خلاف عقائد یا خلاف عقل یا زبان و بیان کے لحاظ سے غلط قرار دے کر حذف یا تبدیل کر دے۔

سرسید کی تزک جہانگیری بھی دو ایسے مقامات علم و نظر میں آتے ہیں جہاں انہوں نے مصنف کی عبارت کو کتاب سے حذف اور خارج کر دیا ہے۔

۱۔ ابوالفضل کے قتل کا جہاں ذکر ہے وہاں جہانگیر نے ابوالفضل پہ جو فرد جرم لگائی ہے اس میں یہ جملہ بھی تھا :۔

"در پیرانہ سالی پدرم را از راہ مستقیم باز داشت"

مگر سرسید کی مدونہ تزک جہانگیری میں یہ جملہ نہیں ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی لکھتے ہیں کہ میں نے ایک مخطوطہ تزک (مدرسہ اشاعت العلوم بریلی) میں یہ عبارت دیکھی تھی[1]

جہانگیر کا یہ جملہ فرد جرم کی نوعیت ایک دوسری شکل میں پیش کرتا ہے اور یہ تاثر ہوتا ہے کہ ابوالفضل سے جہانگیر کو عداوت صرف ذاتی بنیادوں پر نہیں تھی بلکہ وہ اس کے افکار و آرا کی براہ مستقیم سے منحرف کرتا اور اسے اپنے والد کے گمراہ کن سمجھتا تھا۔ اور یہ جملہ خارج ہونے کے بعد ابوالفضل کے قتل کا محرک جہانگیر کی اس سے ذاتی رنجش محسوس ہوتی ہے

۲۔ جہانگیر کو ایک بار ۱۰۱۶ھ میں سات بنگالی بازی گروں اور شعبدہ بازوں نے اپنے ہنر دکھائے تھے اور جہانگیر اور اس کے درباریوں نے دو رات دن مسلسل بیٹھ کر یہ تماشا دیکھا تھا اور اپنی تزک میں حیرت کے ساتھ

---

[1] ص۵۰ الفرقان (افادات گیلانی نمبر جولائی ۱۹۵۷) لکھنؤ

اس کا تذکرہ کیا تھا۔

مگر سرسید نے تزک سے یہ مقام حذف کر دیا۔

ابن بطوطہ نے چین میں ایسے ہی حیرت ناک کرتب دیکھے تھے اور اپنے سفرنامے میں ان کا ذکر کیا تھا۔ مولوی محمد حسین نے سفرنامے کے ترجمے کے دوران اپنے حواشی میں تائید کے طور پر جہانگیر کا یہ بیان نقل کرنا چاہا جو انہوں نے تزک جہانگیری میں دیکھا تھا۔ مگر ان کو اس وقت تزک کا وہ ایڈیشن دستیاب ہوا جو سرسید نے شائع کیا تھا۔ اور اس میں یہ واقعہ انہیں نہیں ملا۔ اس لئے انہوں نے طباطبائی کی سیر المتاخرین (جلد اول صہ ۲۴۳) سے دربار جہانگیر کا یہ واقعہ نقل کیا۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں۔

مجھے تزک جہانگیری کا جو نسخہ ملا وہ تو اتفاقاً علی گڑھ کا چھپا ہوا تھا۔ اس لئے یہ عبارت میں نے سیر المتاخرین سے ترجمہ کی ہے۔ تزک جہانگیری مطبوعہ علی گڑھ کے نسخے میں یہ مقام سید احمد خان نے نکال ڈالا ہے۔

اس کے بعد مولوی محمد حسین سرسید کے اس فعل کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کی ہے۔

"کسی غیر کی کتاب میں یہ تصرف ہر طرح سے مذموم ہے ایڈیٹر یا محشی یا نقل کرنے والے اس قدر کر سکتے ہیں جیسا کہ سیر المتاخرین کے مصنف نے یہ تماشے نقل کرکے لکھ دیا ہے کہ فقیر از کتاب کہ انتساخ نمودہ چنین نوشتہ اند اگرچہ معقول نیست والعہدۃ علی الراوی"

پھر اس کے بعد اس کی توجیہہ کرتے ہیں:۔

غالباً سید صاحب مرحوم کو اس بے جا تصرف پر اس بات نے آمادہ کیا ہو گا کہ بازی گروں کے ایسے تماشے دکھانا ان (سرسید) کی کرامات اور معجزات کے انکار کو ضعف پہنچاتا ہے کیوں کہ تماشے کا راوی خود جہانگیر بادشاہ تھا جس کی عادت مبالغہ کرنے کی نہیں ہے۔ اور اس کی قوت مشاہدہ بھی مسلّم تھی اور تماشے کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا بتلاتا تھا۔" صہ ۲۲۲

ہماری رائے میں مولوی محمد حسین نے توجیہہ صحیح کی ہے اور سرسید کی اس کمزوری کی صحیح نشاندہی کی ہے جس نے ان کو بے جا تصرف پر آمادہ کیا۔

آخر میں سرسید کے ایک حاشیے کا ذکر بھی دلچسپی کا موجب ہو گا۔ جو انہوں نے تزک کی ایک عبارت پر لکھا ہے۔ جہانگیر نے تزک میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے اس کو چار مرقعے پیش کئے جو پستے کے چھلکے کے برابر یا تھی دانت کے تھے۔ ان میں سے چوتھے مرقعے میں ایک درخت کے نیچے حضرت عیسیٰؑ کو بیٹھا دکھایا تھا۔ (تزک صہ ۹۷)

اس پر سرسید نے حاشیہ لکھا کہ:۔

غالباً ایں کارنامہ از کارنامہائے کاری گران فرنگ بودہ و بدستش افتادہ آں را از نام کارنامۂ خود گردانید

غالباً یہ کسی یورپین صناع کا کارنامہ تھا جو اس شخص کے ہاتھ لگ گیا، اور اس نے جہانگیر کو اپنے نام سے پیش کر دیا۔

اور دلیل یہ دی ہے کہ ایک مسلمان کی حضرت عیسیٰؑ کی تصویر بنانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

اس پر مولانا شبلی نے تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے کہ

"سید صاحب کو اس کا یقین نہیں آ سکتا کہ کوئی ہندوستانی شخص بھی ایسا کمال دکھا سکتا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ کسی یورپین نے بنائی ہوگی۔ اور اس پر قرینہ یہ قائم کرتے ہیں کہ چونکہ مرقع میں حضرت عیسیٰؑ کی تصویر ہے۔ خوش اعتقادی کی بھی آخر حد ہے۔"

سلسلۃ الملوک

سرسید نے ۱۸۵۲ء میں دہلی کے پانچ ہزار سالہ فرماں رواؤں کا ایک جدول (چارٹ) سلسلۃ الملوک کے نام سے شائع کیا تھا اور اس کو آثار الصنادید کی اشاعت ثانیہ کے آغاز میں شامل کر دیا تھا۔ جو ۱۸۵۲ء میں طبع ہو گئی تھی مگر ۱۸۵۴ء میں شائع ہو سکی۔

اس جدول میں دہلی کے دو سو دو راجاؤں اور بادشاہوں کے نام اور دوسری تفاصیل ہیں۔ آغاز سے ۱۸۵۲ء تک کے ہر فرماں روا کے لئے ایک خانہ مخصوص کیا گیا ہے۔ جب اس جدول کے آخری حصے پر نظر ڈالتے ہیں اور ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱ اور ۲۰۲ نمبر کے خانوں کو پڑھتے ہیں تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں۔

دہلی کے آخری شاہوں کے خانے یوں تبدیل ہونا چاہئے تھے۔

شاہ عالم ثانی جلوس ۱۷۵۹ء وفات ۱۸۰۶ء ۔ اکبر شاہ ثانی جلوس ۱۸۰۶ء وفات ۱۸۳۷ء

بہادر شاہ ثانی جلوس ۱۸۳۷ء

مگر ان کے بجائے یہاں شاہان انگلستان "خانہ نشین" نظر آتے ہیں۔

شاہ جارج دوم فتح دہلی ۱۸۰۳ء انتقال ۱۸۲۰ء ۔ شاہ جارج چہارم جلوس ۱۸۲۰ء انتقال ۱۸۳۰ء

شاہ ولیم چہارم جلوس ۱۸۳۰ء انتقال ۱۸۳۷ء ۔ ملکہ وکٹوریہ جلوس ۱۸۳۷ء

پہلے تو یہ سوچتے ہیں کہ انہی سرسید نے اس سے ۱۳ سال پہلے ۱۸۳۹ء میں اسی قسم کا ایک جدول (جام جم) شائع کیا تھا جس میں دہلی کے صرف مسلم فرماں رواؤں کے نام تھے (امیر تیمور سے بہادر شاہ ثانی تک) اس وقت بھی تو لارڈ دہلی کو "فتح" کر چکا تھا۔ مگر اس میں شاہ عالم ثانی بھی تھے، اکبر شاہ ثانی بھی اور بہادر شاہ ثانی بھی۔ پھر آخر ۱۳ سال میں حالات میں ایسا کون سا انقلاب آ گیا کہ یہ حضرات بادشاہ نہیں رہے اور شاہان انگلستان فرماں روا ہو گئے؟

پھر یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ جب اکبر شاہ ثانی دہلی کے فرماں روا نہیں رہے تھے تو سرسید کے نانا کس کے وزیر اعظم تھے اور انہیں نواب دبیر الدولہ امین الملک بہادر مصلح جنگ وغیرہ خطابات کس نے اور کس حیثیت سے

دیتے تھے۔ اور ان دبیرالدولہ نے وہ سکّے کس کے نام سے ڈھالے تھے جو بقول آپ کے غدر تک رائج رہے۔ جب اکبر شاہ ثانی، فرماں روا نہیں رہے تھے؟ ان کے نام کے سکّے کیوں مروج تھے؟[1]

سرسید کے نانا کے خاص دوست اختر لونی (آکٹر لونی) کو نصیرالدولہ فخرالملک وفادار خان بہادر ظفر جنگ کے خطابات کس نے دئے تھے؟ اور یہ اختر لونی کے عہدے ریذیڈنٹ کا کیا مطلب تھا؟ اور یہ ریذیڈنٹ کس کی طرف سے اور کس کے دربار میں تھے؟ اور دربار عام کے موقعوں پر ان کے سامنے کھڑے کیوں رہتے تھے؟ بیٹھ کیوں نہیں جاتے تھے۔ اور نذریں کیوں پیش کرتے تھے؟

خود سرسید کو جوادالدولہ عارف جنگ کا خطاب بہادر شاہ نے کس حیثیت سے دیا تھا؟ اور اس خطاب کو وہ ۱۸۵۲ء میں ہی ہیں، اور ۱۸۵۷ء میں ہی نہیں ۱۸۹۶ء تک کیوں بڑے فخر اور اہتمام سے استعمال کرتے رہے؟ بہادر شاہ ثانی جب فرماں روا نہیں رہے تھے۔ بلکہ تخت نشین ہی نہیں ہوئے تھے۔ تو ان کے نام کا سکہ کیوں رائج ہوا تھا جس کا شعر آپ نے جام جم میں درج کیا ہے؟

ان سوالات کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ صورت حال بالکل مختلف تھی۔

اصل میں، اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ مگر برعظیم کے باحمیت باشندے اس کو سقوط دہلی کہتے ہیں "فتح دہلی"۔ بعض مواقع پر بعض حقائق صرف نظر ہی معیار شرافت اور تقاضائے حمیت ہوتا ہے تو قومی و ملّی نقطۂ نظر سے یہ سقوط دہلی تھا۔ دہلی پر انگریزوں کا تسلط تھا۔ یہ اہلِ وطن کے لئے کوئی گوارا اور قبول خاطر خبر نہیں تھی۔ ایک ناگوار حقیقت اور بار گوش خبر تھی۔ اس لئے ساکنان حضرت دہلی، خواہ نا خواہ حکم کمپنی بہادر کا مانتے تھے۔ مگر مرکز عقیدت لال قلعہ تھا، تخت طاؤس تھا، "بادشاہ سلامت" تھا۔

جہاں تک قانون کا تعلق ہے، اس کی رو سے بھی حکومت لال قلعے کے مکینوں ہی کی تھی چاہے اس میں انگریزوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاسی مصلحت ہی کیوں نہ ہو مگر وہ بھی قانوناً بادشاہ اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ثانی ہی کو کہتے تھے۔ سکہ انہی کے نام کا ڈھالا جاتا اور چلتا تھا۔ ریذیڈنٹ ان کے دربار میں بیٹھ کر نہیں لکھتا تھا، کھڑا رہتا تھا

---

[1] واضح رہے کہ سرسید نے اپنے انتقال سے صرف ۲ سال پہلے ۱۸۹۶ء میں اپنے نانا خواجہ فرید الدین کی سوانح سیرت فریدیہ کے نام سے شائع کی تھی۔ اس کے سرورق پر خواجہ کے لئے یہ پورے خطابات تحریر کئے تھے اور اکبر شاہ ثانی کے وزیر اعظم بنائے جانے کے واقع کو ان کی زندگی کے سب سے اہم اور نمایاں واقعے کے طور پر لکھا تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ شاہ کے سامنے دربار میں ہر درباری کو کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ مگر شاہ نے خواجہ کو ایک جریب (چھڑی) عطا کی تھی تاکہ اس کے سہارے کھڑے رہیں۔ اختر لونی کو بھی چھڑی عطا ہوئی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جو شاہوں کی جانب سے رعایا کے کسی فرد کو عطا ہوتا تھا۔ سرسید نے اس پر افتخار کا اظہار کیا ہے

اور بادشاہ تخت طاؤس پر بیٹھتا تھا۔

مختصر یہ کہ ۱۸۵۲ء میں مغل فرماں رواؤں کی جگہ لندن کے شاہوں کو دہلی کا بادشاہ ظاہر کرنا، نہ اظہار حقیقت تھا نہ اہل وطن کے جذبات کی ترجمانی تھی نہ اس کی بظاہر کوئی ضرورت لاحق ہوتی تھی۔ نہ ایسا نہ کرنے سے انگریز کے ناخوش ہونے کا اندیشہ تھا۔

"سن ستاون" کے انقلاب سے ۵/۶ سال پہلے شاہان دہلی کو اس طرح "معزول" کر کے شاہان انگلستان کو "مسلط" کر دینا سرسید کا کوئی اضطراری اقدام نہیں تھا جو بے ارادہ اٹھ گیا ہو۔ یا جس پر انہیں ندامت ہو۔ یہ ان کا ایک سوچا سمجھا اقدام تھا جس پر انہیں ندامت نہیں فخر تھا۔ وہ اس کا اخفا نہیں چاہتے تھے، اعلان کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:

"۱۸۵۴ء میں جب میں نے ایک تاریخ دہلی کی پرانی اور اگلی عمارتوں کی لکھی تو سلسلہ سلطنت مغلیہ ۱۸۰۳ء سے یعنی جب سے لارڈ لیک سپہ سالار سلطنت انگلشیہ نے دہلی کو فتح کیا، منقطع میں اور ہندوستان کی سلطنت سلسلہ شاہان انگلستان کا قائم کیا۔ اس سے یقین ہو سکتا ہے کہ اس ہنگامے (سن ستاون) سے پہلے میری نیت یہی تھی کہ تمام اہل ہندوستان جان لیں کہ اب سلطنت خاندان مغلیہ کی ختم ہو گئی اور ہندوستان کی بادشاہت شاہان انگلستان کی ہے۔ اس لیے تمام "رعایا" کو اپنے بادشاہ اور گورنمنٹ انگلشیہ کی خیر خواہی اور اس سے محبت کرنی چاہیے"[1]

سرسید نے اپنے ان افکار و نظریات کی بنا پر خود کو ان عام اہل وطن سے کاٹ لیا تھا، جو ۵/۶ سال اور ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ انگریز کے وفاداروں میں شامل ہو گئے تھے اور ان کی حسرتیں، دعائیں اور التجائیں کمپنی کے لئے تھیں۔ مگر یہ ایک مستقل موضوع گفتگو ہے اور ہم سیرت فریدیہ کے مقدمے میں اس پر تفصیل سے اظہار خیال کر چکے ہیں۔ اس وقت اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ ایسا کر کے انہوں نے تاریخ نویس کی حیثیت سے اپنے فرائض سے نظر کیا۔ اور اپنے سیاسی عزائم اور عقائد کا بے موقع ابلاغ کیا ہے۔ حقیقت پسندی اور دیانت داری کے بجائے اپنی خواہشوں کو انہوں نے حقیقت فرض کر لیں۔ اور دوسروں سے اس کو منوانا چاہا تھا۔

سیرت فریدیہ | سرسید کی یہ آخری تالیف ہے جو پہلی مرتبہ مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۸۹۶ء میں طبع ہوئی۔ پھر ایک بار اور شائع ہوئی اور تیسری بار خاکسار نے اس پر حواشی اور طویل مقدمہ لکھ کر ۱۹۶۴ء میں شائع کیا (پاک اکیڈمی کراچی)۔ اس مقدمے میں ہم سیرت فریدیہ پر ایک حیات، اور سیرت کی حیثیت سے تفصیلی اظہار خیال کر چکے ہیں۔ اس لیے اس وقت اختصار کے ساتھ اس کے کم اور پہلوؤں کی نشاندہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

[1] لائل محمڈنز آف انڈیا، مطبوعہ مفصلائٹ پریس آگرہ

سرسید نے یہ کتاب اپنے نانا خواجہ فریدالدین کی سوانح کے طور پر لکھی تھی جو اکبر شاہ ثانی کے وزیر اعظم رہے تھے اور جنہیں شاہ نے دبیر الدولہ امین الملک مصلح جنگ کا خطاب دیا تھا اور سرسید نے یہ خطاب بشمول سرورق پوری کتاب میں استعمال کیا ہے اور ۱۸۹۶ء میں کیا ہے۔

اس کتاب پر ایک   کی حیثیت سے جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو کہنا پڑتا ہے کہ یہ ایک غیر معیاری اور ناقص و نامکمل سوانح ہے۔ اردو میں اس سے پہلے حالی و شبلی کی حیات سعدی اور المامون شائع ہو چکی تھیں۔ ان سے اس کتاب کا موازنہ کرنے پر مایوسی ہوتی ہے۔

صاحب سوانح کی تعلیم کا بیان نہ ہونے کے برابر ہے۔ ۲۵ سال کی عمر میں ریاضی کی تعلیم کے لئے ان کے لکھنؤ جانے کے ذکر پر سرسید نے یہ باب ختم کر دیا ہے۔ اس کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ اس عمر تک انہوں نے کن کن علوم کی تحصیل کی تھی کن کن اساتذہ سے فیض حاصل کیا تھا۔ ریاضی کی تحصیل کے لئے دہلی کے فضلاء ریاضی کو چھوڑ کر لکھنؤ جانے کے کیا اسباب تھے؟

خواجہ کے حلقۂ احباب کی کوئی جھلک قاری کو نہیں دکھائی۔ حالاں کہ کسی شخص کے مقام کے تعین اور مذاق کے تعارف کے لئے اس کے حلقۂ احباب سے متعارف کرانا ضروری ہوتا ہے۔ وہ کس معیار کا آدمی تھا؟ کس قسم کے افراد میں اس کی آمد و رفت اور نشست و برخاست تھی۔

اولاد و احفاد کا تذکرہ بڑا ناقص ہے۔ خواجہ کی وفات ۱۸۲۸ء میں ہوئی تھی۔ حالاں کہ یہ وہ وقت ہے کہ جب خواجہ کے نواسے (سرسید) کے پوتے (راس مسعود) ہوشیار ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ خواجہ کے بیٹوں کے پوتے بھی صاحب اولاد ہوں گے۔ مگر ان کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

خواجہ کے لئے لکھا ہے کہ وہ سات سو روپے ماہوار پر مدرسہ کلکتہ کے سپرنٹنڈنٹ رہے تھے۔ اولاً تو
۱۸۳۹ء میں جام جم میں سرسید نے خواجہ کو مدرسہ کا نختیس مدرس (مدرس اول) لکھا ہے (ص۲۰) اور اس کتاب میں
سپرنٹنڈنٹ لکھ رہے ہیں؟ ان دونوں اقوال میں تطبیق کی ضرورت ہے۔ ثانیاً مدرسہ کلکتہ کی (جسے مدرسہ عالیہ بھی کہا جاتا ہے) ایک مبسوط تاریخ مولوی عبدالستار نے لکھی ہے۔ اس کی رو سے نہ صرف اس سن میں بلکہ کسی بھی زمانے میں مدرسے میں سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ نہیں رہا۔ اور پھر خواجہ فریدالدین نامی کوئی بزرگ اس مدرسے کے کسی بھی عہدے پر نظر نہیں آتے۔ اس کے علاوہ سات سو روپے ماہانہ تنخواہ اس دور میں اس مدرسے میں کبھی بھی نہیں رہی ویسے بھی اس دور میں ملک کی تنخواہوں کے معیار سے یہ گراں قدر مشاہرہ مطابقت نہیں رکھتا۔

سائنسی علوم و فنون میں مسلمانوں کا حصّہ

ابوالبیان اسسٹنٹ پروفیسر
زرعی یونیورسٹی پشاور

عصری علوم میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دیے ہیں ان کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا نامہ نگار یوں رقم طراز ہے :-

"مغربی سلطنت روم کے زوال کے بعد سائنس بھی اس کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ اور مشرقی سلطنت روم جہاں لاطینی زبان بولی جاتی تھی وہ بھی انتشار کا شکار ہو گئی۔ تاہم کافی لاطینی سائنسی لٹریچر کا شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ ۸۵۰ء سے ۹۵۰ء تک بغداد کے مترجمین نے ان کو عربی میں ترجمہ کیا۔ اور یہی مسلم سائنس کے منبع ہیں۔ عربی زبان اور ثقافت بعد میں پرتگال اور سپین تک پھیل گئی۔ ان علوم میں نمایاں کام کیمیا۔ حساب۔ فلکیات اور طب پر تھا۔ سب سے پہلے مسلمان کیمیا دان رازی نے کیمیا کی تجرباتی لیبارٹری کا نمونہ پیش کیا۔ صنعتی ٹیکنالوجی اور کیمیاوی ساز و سامان کے موجد عرب مسلمان ہیں۔ انہوں نے موجودہ کیمیا کے لئے بنیاد مہیا کی۔

علم حساب میں سب سے اہم کام ایک ایرانی مسلمان سائنس دان "محمد بن موسیٰ الخوارزمی" کا ہے۔ جس نے ARITHOMATIC ایجاد کیا جس کا نام اس کے نام کی نسبت سے (ALGORISM) رکھا گیا۔ اسی طرح الجبرا بھی اسی کی ایجاد ہے۔ عرب مسلمانوں نے جیومیٹری اور خوردبینی آلات کو بہتر بنایا۔ علم فلکیات اور علم نجوم کو تو اسلامی دنیا ہی نے ایجاد کیا۔ اور مستقل طور پر اپنایا۔ جو خاص طور پر قرطبہ اور ٹولیڈو (سپین) میں ترقی پذیر ہوئے۔ ستاروں اور سیاروں کے مقامات کے تعین کے لئے گوشوارے تیار کئے۔

اسی طرح طب میں پہلا اور ماہر مسلمان ڈاکٹر "رازی" ہے جس نے خسرہ اور چیچک کے درمیان فرق کیا۔ ابن سینا بجا طور پر طب کا موجد کہلانے کا مستحق ہے جن کی تحقیقات مغربی دنیا اور مسلم ممالک میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں فاضل نامہ نگار آگے چل کر لکھتا ہے کہ طبی دنیا میں مسلمان اطبا کا شاندار کارنامہ نباتاتی ادویہ کا تعارف کرانا ہے جو ابھی تک مستعمل ہے۔"

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲۰ ص ۱۱۹

<u>مسلمان اور علم فلکیات</u> | سائنسی علوم میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ علم ریاضی اور علم فلکیات میں گہری دلچسپی لی۔

سلطنت اسلامیہ کے تقریباً ہر بڑے شہر میں تحقیقاتی ادارے اور رصد گاہیں قائم تھیں جن میں سے بغداد - قاہرہ - قرطبہ - ٹولیڈو اور سمرقند کی رصدگاہوں نے خوب شہرت حاصل کی۔ عباسی خلیفہ "المنصور" کے دور میں بغداد کا ادارہ فلکیات ایک مشہور ادارہ تھا۔ نویں صدی کے شروع میں خلیفہ "مامون الرشید" نے بغداد ہی میں بیت الحکمت تیار کیا جس میں ایک عظیم الشان لائبریری اور ایک رصدگاہ تھی۔

بطلیموس کی مشہور کتاب "المجسطی" سب سے پہلے مامون کے لئے عربی میں ترجمہ کرایا گیا۔ نویں صدی کے آخر میں ثابت ابن قرۃ[1] نے ان مقامات کے بارے میں جہاں دن رات برابر ہو جاتے ہیں اپنا نظریہ یوں پیش کیا کہ سورج کے دائیں بائیں جھولنے کی صورت میں بعض اوقات بعض مقامات پر دن رات برابر ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایک اور نامور فلکیات "البتانی"[2] نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا۔ اور یہ نظریہ پیش کیا کہ سورج اپنے مدار میں زمین کے گرد متحرک ہے۔ اور اس حرکت کی وجہ سے دن رات میں تغیر و تبدل رونما ہوتا ہے۔

بغداد کے ماہرین فلکیات نے سورج گرہن مختلف سیاروں۔ فلکیاتی نظام اور زمین کے جمود کے بارے میں تحقیقات کیں جنہیں بعد میں کوپرنیکس اور کیپلر نے اپنایا۔ ان تحقیقات کو کتابی شکل میں یحییٰ بن ابی منصور نے بنام VASIFIED TABLE (تصدیق شدہ جدول) شائع کیا۔

ابوالوفا نے علم فلکیات کے بنیادی اصول وضع کئے۔ انہوں نے سب سے پہلے زمین کے گرد چاند کی گردش میں سورج کی کشش کی وجہ سے جو فرق آتا ہے اس کے بارے میں صحیح نظریہ پیش کیا۔ جس کی تصدیق سولھویں صدی میں ٹیکو براہو نے

---

[1] ثابت بن قرۃ۔ ابوالحسن ثابت بن قرۃ بن ہارون حرانی ۲۲۱ھ کو حران (جزیرہ) میں پیدا ہوئے۔ حران میں صراف تھا - پھر بغداد چلے گئے۔ وہاں علوم عصری کی طرف متوجہ ہوئے۔ طب میں خوب مہارت حاصل کی۔ مختلف فنون میں تقریباً بیس کتابیں تالیف کیں۔ کتاب اقلیدس کی تشریح - اصلاح اور مشکل مقامات کی وضاحت کی۔ امیر وقت کا درباری منجم تھا - ۷۷ برس کی عمر میں ۲۸۰ھ ۹۰۱ء کو فوت ہوئے - ابن خلکان ج ۱ ص ۳۱۳ - اخبار الحکماء ۱۱۵ - الفہرست اردو ترجمہ ۲۷۲

[2] ۳۱۷ھ ابوعبداللہ محمد بن جابر بن سنان حرانی مشہور نجومی تھا۔ اس نے رصد و معاینۂ افلاک کا کام شروع کیا - جعفر بن مکتفی کا کہنا ہے۔ کہ اس کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس کام کا آغاز اس نے ۲۶۴ھ میں کیا۔ اور ۳۰۶ھ تک جاری رکھا۔ اس نے ۲۹۹ھ کے زائچہ میں کواکب ثابتہ کا وجود ثابت کیا۔

تصانیف۔ کتاب الزیج (دو نسخے) یہ کتاب معرفۃ مطالع البروج فیما بین ارباع الفلک - ۳۔ شرح اربع مقالات بطلیموس ابن ندیم نے لکھا ہے کہ آپ صابی تھے۔ ابن خلکان کہتا ہے کہ نام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان تھے۔ واللہ اعلم بتان حران میں ایک گاؤں ہے۔ وفیات الاعیان ج ۵ ص ۱۶۴ - الفہرست ص ۲۷۹ تاریخ الحکما ۲۸۰ شذرات ج ۲ ص ۲۷۶

کی۔ اہل یورپ نے بعد میں اسے اس نظریہ کا موجد قرار دیا۔ حالاں کہ اس کا موجد ابوالوفا تھا[1]۔

مامون کے دور خلافت میں شماسیہ کے مقام پر ایک رصدگاہ قائم ہوئی۔ اس میں آفتاب اور بعض دیگر ثوابت و سیارات کے حالات معلوم کئے گئے۔ یہ رصدگاہ رصد مامونی کے نام سے موسوم تھی۔ بنو شاکر[2] جو علم ہیئت کے بڑے ماہر تھے سنجر کے وسیع میدان میں نہایت اہتمام سے کرۂ ارض کی پیمائش کی۔ اور اس کا محیط ۲۴ ہزار میل نکالا۔

قاہرہ میں علی بن یونس[3] SUNDIAL اور PENDULUM ایجاد کی۔ فاطمی خلیفہ "الحاکم" نے مقطم کی چوٹی پر تجربہ گاہ بنائی۔ اس میں علی بن یونس نے حاکمی زائچے کی اس قدر صحیح تالیف کی کہ سارے مشرق اور چین میں مقبول عام ہوئی۔

فلکیاتی تجربات کو سپین میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ عبدالرحمان دوم امیر قرطبہ نے اس شعبے میں خاصی دلچسپی ظاہر کی۔ الزرقانی[4] نے ۱۰۸۰ء میں ٹولیڈو جدول نام سے سیاروں کی حرکات کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ جو ۱۲۶۲ء تک تمام اہم ممالک میں مستعمل رہے۔ تیرھویں صدی میں ہلاکو خان نے ایران میں "مراغہ" نامی مقام پر ایک رصد گاہ تعمیر کرائی۔ مشہور ایرانی ماہر فلکیات نصیر الدین طوسی[5] کو اس کا ڈائرکٹر مقرر کیا۔ اس نے الخانی زائچے تیار کئے۔ جس

۱ ابوالوفا محمد بن محمد یحییٰ بن عباس بوزجانی مشہور حاسب تھا۔ علم ہندسہ میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔ ۳۲۸ھ ۹۸۸ء کو بوزجان میں پیدا ہوا۔ اور ۳۸۷ھ کو فوت ہوا۔ بوزجان ہرات اور نیشاپور کے درمیان ایک گاؤں ہے۔ وفیات الاعیان ج ۵ ص ۱۶۷ الفہرست اردو ۴۸۳۔ اخبار الحکماء ۲۸۷۔ ۲ بنو شاکر یہ تین بھائی تھے۔ محمد بن موسیٰ بن شاکر۔ حسن بن موسیٰ بن شاکر اور احمد بن موسیٰ بن شاکر۔ ہندسہ۔ موسیقی اور نجوم میں بڑے ماہر تھے۔ اول الذکر ۲۵۹ھ میں فوت ہوا۔

۳ علی بن یونس مصری مشہور نجومی تھا۔ چار جلدوں میں اس نے ایک زیچ تیار کیا جو زیچ ابن یونس سے مشہور ہے۔ ۳۹۹ھ میں انتقال کر گیا (وفیات الاعیان ج ۳ ص ۴۲۹)

۴ زرقانی۔ ابراہیم بن زرقال (۱۰۲۹ء سے ۱۰۸۷ء) نجومی اور اپنے وقت کے بڑے راصدی تھے۔ ابن صاعد کے ساتھ جداول طلیطلہ کے مبادیات کو وضع کیا جو الزیج الطلیطلی کہلاتا ہے۔ نیا اسطرلاب بنایا جو صحیفۃ الزرقانی سے مشہور ہے۔ (المنجد فی الاعلام ص ۱۸۳۔) ۵ نصیر الدین طوسی۔ ابوجعفر محمد بن محمد نصیر الدین طوسی نہایت نامور فلسفی اور ہیئت دان تھے۔ طوس (مشہد) میں پیدا ہوئے۔ ایران نے جتنے علماء پیدا کئے ان سب میں آپ زیادہ محقق اور جامع عالم تھے۔ یونانی زبان سے خوب واقف تھے۔ اقلیدس کی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا۔ المجسطی کو عربی زبان میں جلوہ گر کیا۔ اس پر تعلیقات لکھے۔ ہیئت اور فلسفہ پر محققانہ کتابیں لکھیں۔ علم مثلث کو مستقل فن کی صورت میں مدون کیا۔ علاء الدین نے اپنا وزیر بنایا۔ ہلاکو نے وہاں سے نکالا۔ اپنے پاس رکھا۔ ہلاکو خان کے لئے مراغہ میں ایک عظیم الشان رصدگاہ بنائی۔ تذکرہ (علم ہیئت) اس کی مشہور تصنیف ہے۔ ۱۲۷۴ء کو بغداد میں فوت ہوئے امام موسیٰ کاظم کے روضہ کے ساتھ دفن کیا گیا۔ (لباب المعارف ص ۱۳۱)

میں مختلف اجرام فلکی کی رفتار کے بارے میں صحیح ترین نقشہ دیا۔

۱۴۲۰ء میں "تاتار مسلمان بادشاہ" الغ بیگ[۵] نے سمرقند میں ایک رصدگاہ قائم کی جہاں پر مختلف ماہرین نے ذاتی مشاہدات سے ستاروں کے بارے میں فہرستیں تیار کیں جو بعد میں کئی صدیوں تک استعمال ہوتی رہیں۔

سید سلیمان ندوی[۶] نے حسب ذیل رصد خانوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ رصد شماسیہ بغداد۔ ۲۔ رصد مامونی دمشق۔ ۳۔ رصد بنی موسیٰ۔ ۴۔ رصد نہاوندی۔ ۵۔ رصد بتانی۔ ۶۔ رصد بوزجانی ۷۔ رصد ابن اعلم[۷]۔ ۸۔ رصد شرف الدولہ۔ ۹۔ رصد حاکمی۔ ۱۰۔ رصد ملک شاہی۔ ۱۱۔ رصد بیرونی۔ ۱۲۔ رصد علاء الدین۔ ۱۳۔ رصد کوشیار۔ ۱۴۔ رصد ابن زرقال۔ ۱۵۔ رصد مستنصر باللہ۔ ۱۶۔ رصد فہاد شروانی۔ ۱۷۔ رصد مراغہ۔ ۱۸۔ رصد ابن الحماد۔ ۱۹۔ رصد ابن شاطر۔ ۲۰۔ رصد تقی الدین بن معروف شامی۔ ۲۱۔ رصد شمس الدین محمد عیلی خواجہ۔ ۲۲۔ رصد الغ بیگ۔ ۲۳۔ رصد فیروز شاہی۔ ۲۴۔ رصد محمد شاہی (معارف۔ جنوری ۱۹۶۴ء)

مسلمان اور طب | علم طب میں ابتدائی کام اگرچہ بنو امیہ کے دور میں شروع ہوا تھا۔ لیکن اس میں زیادہ تر ترقی عباسی دور میں ہوئی۔ ۸۳۳ء میں عباسی خلیفہ مامون الرشید نے بغداد میں بیت الحکمت کی بنیا ڈالی۔ حنین بن اسحاق اور یوحنا بن ماسویہ جیسے جلیل القدر حکماء اس کی سرپرستی کے لئے مقرر ہوئے۔ مختلف قسم کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں مامون نے تصنیف و تالیف کے لئے کمیٹی بنائی اور مترجمین کے لئے بڑی بڑی تنخواہیں اور وظیفے مقرر کئے۔ طب

---

[۵] الغ بیگ، شاہرخ کا بیٹا، امیر تیمور کا پوتا تھا۔ علم ہیئت میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ ۸۵۱ھ میں باپ کے انتقال پر اس کا جانشین ہوا۔ ریاضیات اور فلکیات میں گہری دلچسپی لیتا تھا۔ اپنی قلمرو کے تمام ہیئت دانوں کو جمع کر کے وہ جداول مرتب کئے جو آج اس کے نام پر زیچ الغ بیگ خان کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے پاس ستاروں کا حال دریافت کرنے کے لئے بڑے بڑے دیو ہیکل آلات تھے۔ ایک "ربع مجیب" (تھیوڈولائٹ) وہ آلہ جس سے ستاروں کے ارتفاع کے درجات و دقائق معلوم ہوتے ہیں، ان کے پاس تھا۔ اس کی بلندی ۱۸۰ فٹ تھی۔ ۸۵۳ھ ۱۴۴۹ء کو اپنے بیٹے مرزا عبداللطیف نے نہایت بے رحمی سے قتل کیا (لباب المعارف العلمیہ ص ۲۳۰)

[۶] سید سلیمان ندوی نے اسلامی رصد خانوں کا آغاز رصد مامونی بغداد سے بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"مسلمانوں میں رصد خانوں کی بنیاد تیسری ہجری سے شروع ہوتی ہے۔ جب مامون سریر آرائے خلافت تھا۔ آگے مزید فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے اسلامی رصد خانہ جیسا کہ عام طور سے معلوم ہے رصد مامونی ہے۔ (معارف جنوری ۱۹۶۴ء (اسلامی رصد خانے) [۷] ابن اعلم الفلکی۔ علی بن الحسن ابو القاسم مشہور بابن اعلم الفلکی ۳۷۵ھ میں فوت ہوئے۔ (المنجد فی الاعلام صد ۱۵۷)

کے میدان میں جو مسلمان اطبا گزرے ہیں۔ ان میں طبری، رازی، ابن سینا اور علی بن عباس کے نام سرفہرست ہیں۔ ابن سینا اور رازی کے شاندار کارناموں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج بھی ان دونوں کے مجسمے پیرس یونیورسٹی کے دواسازی سکول میں نصب ہیں۔ اور سترھویں صدی تک ان کی کتابیں طب کے نصاب میں شامل تھیں۔ طبری[۱] جو المتوکل کے درباری طبیب تھے۔ ۸۶۰ء میں خلیفہ کے کہنے پر ایک کتاب "فردوس الحکمت" تصنیف کی۔ جو اسلامی دنیا میں عربی ادویات کی اہم اور قدیم شاہکار ہے۔

ابوبکر محمد بن زکریا[۲] رازی نے طب پر ۱۱۳ کتابیں اور ۲۸ رسالے لکھے۔ "الجدری والحصبۃ" نامی رسالہ میں چیچک اور خسرہ پر تفصیلی بحث کر کے دونوں میں فرق کیا۔ یہ کتاب وبائی امراض پر سب سے پہلی کتاب شمار کی جاتی ہے۔
آپ کی معرکہ آرا تصنیف "الحاوی" ہے۔ جسے اگر طبی انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے اندر طب کے بارے میں جملہ معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

ایک اور نامور مسلمان طبیب علی بن عباس ہے۔ جس نے ایک کتاب "الکامل الصناع الطبیہ" لکھی ہے۔ اس میں اس نے دواسازی اور علاج کے مختلف طریقوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ کسی زمانہ میں یہ بھی نصاب طب میں شامل تھی۔
ابن سینا[۳] نے علم طب پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ جن میں "القانون فی الطب" اور "الشفا" کو خاصی اہمیت

۱۔ طبری علی بن سہیل بن ربن متوفی ۲۴۶ھ ۸۶۱ء۔ طب میں بڑے ماہر تھے۔ ان کی ایک اور تصنیف ہے "منافع الاطعمۃ" (یہ وہ طبری نہیں جس نے بطلیموس کی کتاب "الاربعہ" کی شرح لکھی۔ اس کا نام عمر بن فرخان الطبری ہے۔

۲۔ ابوبکر محمد بن زکریا ۸۴۰ء کو طہران کے قریب "رے" میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں زیادہ تر وقت لہو ولعب میں گذرا۔ جب ذمہ داری سر پر آئی تو کیمیاگری کا پیشہ اختیار کیا۔ پھر علوم عصری کی طرف متوجہ ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان علوم میں مہارت حاصل کی۔ اور خاص کر طب سے معرفت و آگاہی میں یگانہ روزگار اور فرید العصر بنے۔ اس کے اور منصور بن اسماعیل کے درمیان دوستی تھی۔ اس کے لئے کتاب "المنصوری" تصنیف کی۔ زیادہ لوبیا کھانے سے آنکھوں میں رطوبت رہتی تھی۔ آخر عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے۔ ۳۱۱ھ ۹۲۳ء کو فوت ہوئے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف نے بہت شہرت حاصل کی۔
۱۔ الحاوی ۳۰ جلد۔ ۲۔ الاعصاب۔ کتاب البرہان (دو مقالات۔ مقالہ اول سترہ فصول اور مقالہ ثانی بارہ فصول پر مشتمل ہے) ۴۔ کتاب الجدری والحصبۃ۔ وفیات الاعیان ج ۵ ص ۱۵۷۔ الفہرست اردو ترجمہ ص ۲۹۹

۳۔ رئیس ابو علی حسین ابن عبداللہ بن سینا ۳۷۰ھ ۹۸۰ء کو ترکستان بخارا کے قریب خرمثینا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اہل یورپ آپ کو (AVICENA) کہتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم بخارا میں حاصل کی۔ اٹھارہ برس کی عمر

حاصل ہے۔ "القانون" کو تو علم العلاج کا انسائیکلو پیڈیا کہتے ہیں۔ یہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد میں جسم کے مختلف اعضا، ان کے منافع نیز اناٹومی اور فزیالوجی پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ دوسری جلد میں خواص ادویہ کا بیان ہے۔ تیسری اور چوتھی جلد میں امراض اور ان کا علاج بتایا ہے۔ اور پانچویں جلد میں مختلف بیماریوں کے نسخے ترتیب دیتے ہیں۔ "الشفاء" میں طبیعات، کیمیا، ریاضی، موسیقی اور حیاتیات پر بحث ہے۔ بعد میں ان کتابوں کے ترجمے مختلف زبانوں میں شائع ہوئے۔

قرطبہ کے امام زہراوی[لہ] نے علم جراحت پر ایک کتاب بنام "التصریف" لکھی۔ جو دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصہ میں علمی بحث ہے اور دوسرے میں عملی ہدایات ہیں۔ اور جراحت کے طور و طریقے بتلائے ہیں۔ اس حصہ میں تین ابواب ہیں پہلے میں داغ لگانے کا طریقہ۔ دوسرے میں اپریشن کرنا۔ اور تیسرے میں پیوند کاری کا طریقہ بتایا ہے۔ نیز دانت نکالنا کمزور دانتوں کو سونے چاندی کے تار سے جوڑنا یا بھرنا۔ آنکھوں کا اپریشن کرنا۔ مثانے اور گردہ سے پتھری نکالنا پیٹ کا پورا اپریشن کرنا۔ یہ ان کے شاندار کارنامے ہیں۔

<u>مسلمان اور علم ریاضیات</u> علم فلکیات اور علم طب کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے علم ریاضی میں بھی خوب دلچسپی لی۔ حساب جیومیٹری اور الجبرا کے بنیادی قواعد اور اصول دریافت کیے۔ حساب کے اندر آج بھی عرب مسلمانوں کے ایجاد کردہ اور طریقہ شماریات NUME - ERLS مستعمل ہے۔ الجبرا کے بارے میں تو یقینی طور پر کہا جاتا ہے کہ عرب مسلمانوں نے ایجاد کیا ہے۔ خلیفہ مامون الرشید نے بیت الحکمت کا سربراہ محمد بن موسیٰ خوارزمی مقرر کیا جس نے الجبرا پر سب سے پہلی کتاب "الجبر والمقابلۃ" تصنیف کی۔ اس وقت تک الجبرا مروج ہے اس کے بانی مبانی الخوارزمی ہے آپ نے علم حساب (ARITHMATIC) بھی ایجاد کیا جو آج تک ALGORISM کے نام سے مشہور ہے۔ جیومیٹری اور خوردبینی آلات کو بہتر بنانے کا شرف بھی مسلمانوں کو حاصل ہے۔

میں طبیب کامل اور حکیم حاذق بنے۔ علم طب میں عیسیٰ بن یحییٰ جرجانی آپ کے پہلے استاد ہیں۔ مشہور طبیب ابو منصور حسن بن نوح قمری کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے۔ آپ کی سو سے زیادہ تصانیف ہیں۔ جن میں القانون اور الشفا زیادہ مشہور ہیں۔ ۵۸ برس کی عمر میں رمضان ۴۲۸ھ کو ہمدان میں فوت ہوئے۔

(وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۵۷، تاریخ الحکماء ۴۱۳)

لہ امام زہراوی (قرطبہ) (۱۰۳۰ء سے ۱۱۰۶ء) ابو القاسم خلف بن عباس کبار جراحین میں سے تھے۔ عبدالرحمان سوم کے زمانہ میں طبابت کرتے تھے۔ بہت سے آلات اپریشن ایجاد کیے۔ المقالہ فی عمل الید علی فن الجراحۃ آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ (المنجد فی الاعلام ص ۲۴۸)

عرب مسلمانوں نے TRIGNOMETRY علم مثلث میں بھی خوب دلچسپی لی۔ اور
اس میں بنیادی کام بتانی نے کیا۔ اہل یونان TRIG میں SULISTANCES OF ARC
استعمال کرتے تھے۔ بتانی نے اسے SINE OF ARC سے بدلوا دیا اور پہلی دفعہ دنیا کو
SINE اور COSISE کی اصطلاحات سے روشناس کرایا اور اس کو
CALWLUS میں استعمال کیا جسے وہ EXLEVDED SHADOW
کیا کرتے تھے جو جدید TRIG میں TANGENT
سے مشہور ہے۔

الخوارزمی[1] نے الجبرا اور ٹریگنومیٹری کے علاوہ جیومیٹری پر بھی خوب کام کیا۔ چنانچہ پائی (آ) کی قیمت $\frac{22}{7}$ اس نے نکالی۔ اس سے پہلے رومن ہندسے مستعمل تھے۔ اس نے اپنی کتاب "علم حساب" میں عربی ہندسے استعمال کیے جو آج تک مروج ہیں۔

جابر بن فلاح[2] نے سب سے پہلے جمع (+) تفریق (−) ضرب (×) تقسیم (÷) اور جذر (کم) کے لئے علامات استعمال کئے۔ ابو الوفا نے ٹریگنومیٹری میں سیکنٹ SECANT اور COSECANT نکالا۔

کرخی[3] ۱۰۲۹ء کے الجبرے کا نام "الفخری" ہے جس میں مساوات اور جذر پر بحث ہے MENSU RALION پر بھی کچھ لکھا ہے۔

محمد بن احمد نے ۹۷۶ء میں صفر ZERO ایجاد کر کے علم ریاضی میں عظیم کارنامہ سر انجام دیا۔

مسلمان اور علم طبیعات | بقول عرب مسلمان ہی علم طبیعات کے اصل بانی تھے۔ مسلمانوں نے اس شعبہ میں جو تصانیف مرتب کیں بدقسمتی سے ان کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا۔ لیکن جو

---

[1] محمد بن موسیٰ خوارزمی۔ خوارزم کا باشندہ تھا۔ مامون کے خزانۃ الحکمت سے وابستہ تھا۔ نسلاً ایرانی تھا۔ مامون کا درباری سائنسدان تھا۔ انگریزی میں اسے الگورتمی کہتے ہیں۔ ۷۸۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوا اور ۸۵۰ء میں وفات پائی۔

[2] جابر بن فلاح یا افلح۔ متوفی ۱۱۵۰ء۔ اشبیلیہ میں پیدا ہوا۔ مشہور ماہر علم فلکیات تھا۔ بطلیموس کے بعض نظریات کی اصلاح کی۔ اور ثابت کیا کہ مریخ اور زہرہ سورج کی بہ نسبت زمین سے زیادہ قریب ہیں۔ المنجد فی الاعلام ص ۲۰۳

[3] کرخی یا کرجی۔ ابوبکر محمد متوفی ۱۰۲۹ء ریاضیات کے کبار ماہرین میں سے تھا۔ بغداد میں زندگی گذاری اور وہیں وفات پائی۔ تصانیف۔ الفخری فی الجبر و المقابلۃ۔ ۲۔ الکافی فی الحساب۔ المنجد فی الاعلام ص ۵۸۶۔

بجا اس سے اس کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

علم طبیعیات میں جن مسلمانوں نے کام کیا ان میں سر فہرست ابن الہیثمؒ[1] ہے۔ اس نے مناظر QPTIES
کے بارے میں جو معلومات فراہم کیں وہ سائنس کی دنیا میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ مسٹر چارلس کے قول کے مطابق یہ
روشنی کی جدید سائنس کی ابتدا تھی۔ ابن الہیثم عدسیات LENSES میں
زیادہ دلچسپی لیتے تھے اور اپنی کتاب "کتاب المناظر" میں عدسیات پر سیر حاصل بحث کی ہے اور انعکاس
REFLECTION کے کلیے محدب CONVX
اور مکافی سطح سے انعکاس کی صورت میں ثابت کیے۔ اقلیدس اور بطلیموس کا خیال تھا کہ جب ہماری آنکھوں سے
روشنی نکلتی ہے تو کسی چیز پر پڑ کر اسے روشن کر دیتی ہے جس کی بدولت وہ چیز ہمیں دکھائی دیتی ہے۔

ابن الہیثم نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا اور یہ نظریہ پیش کیا کہ اصل میں صرف روشن اجسام نور کا منبع ہوتے ہیں
اس کے علاوہ انہوں نے عدسے اور کرہ ہوائی میں انعطاف پر بھی تحقیقات کی۔

ابن الہیثم کے علاوہ البیرونیؒ[2] نے بھی علم طبیعیات میں کام کیا۔ اس نے مختلف دھاتوں اور قیمتی پتھروں کا وزن مخصوص
دریافت کیا۔ سنگر اپنی کتاب "مختصر تاریخ سائنس" میں لکھتا ہے۔ "علم طبیعیات میں البیرونی کا سب سے بڑا کارنامہ
اٹھارہ قیمتی پتھروں اور دھاتوں کا صحیح وزن مخصوص معلوم کرنا ہے"

ابن سینا اگر ایک طرف عظیم مفکر اور طبیب حاذق تھا تو دوسری طرف ایک زبردست ماہر طبیعیات بھی تھا اس نے
اس فن میں نور، حرارت، قوت اور حرکت پر خوب بحث کی۔ اور آواز SOUND کے بارے
میں بھی تحقیقات کی۔

الخازنی نے سب سے چھوٹے اور باریک بال کو تولنے کے لیے ترازو بنایا۔

مسلمان اور کیمیا | اگر یہ کہا جائے کہ عرب مسلمانوں سے پہلے علم کیمیا کا سرے سے وجود ہی نہ تھا تو اس میں مبالغہ نہ

۱؎ ابو علی حسن بن حسین ابن ہیثم اہل مغرب کے ہاں الہیزین ALHAZIAN کے نام سے
مشہور ہے۔ بصریات کا موجد تھا ۹۶۱ء کو بصرہ میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم بصرہ ہی میں حاصل کی۔ نیل پر بند بنانے کا منصوبہ بنایا
لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسہال کی بیماری کی وجہ سے فوت ہو گیا "رسالۃ فی الضوء" اس کی تصنیف ہے۔

۲؎ البیرونی۔ ابو ریحان البیرونی ۹۷۳ء کو خوارزم کے قریب پیدا ہوا۔ نسلاً فارسی تھا۔ اس نے عربی میں متعدد کتابیں
لکھیں۔ ریاضیات، فلکیات، طب، تقادیم، تاریخ، علوم یونانی و ہندی کا بہت بڑا ماہر تھا۔ ۱۰۴۸ء کو فوت
ہوا۔ المنجد فی الاعلام ص ۳۳۷

نہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اہل یونان کیمیا کے چند عناصر سے روشناس ضرور تھے اور انہیں استعمال بھی کرتے تھے مثلاً الکحل۔ گندھک کا تیزاب وغیرہ۔ لیکن یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے پوٹاشیم۔ امونیا سالٹ۔ سلور نائٹریٹ اور پارہ کی تیاری وغیرہ سے دنیا کو روشناس کرایا۔ علم کشید جو کیمیا میں ایک بنیادی طریقہ تجزیہ ہے۔ اسے بھی سب سے پہلے مسلمانوں نے دریافت کیا۔ نیز عمل تبخیر۔ قلمیں بنانا اور عمل انجماد بھی مسلمانوں کی ایجادات ہیں۔ کیمیا کی ابتدا شاہی خاندان کے ایک رکن یزید بن معاویہ کے لڑکے خالد نے کی۔ یہ بڑا ذی علم تھا۔ عقلی علوم میں زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔ فلسفہ اور کیمیا کا خاص ذوق رکھتا تھا۔ اس نے کیمیا پر کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے کتاب الحرارۃ۔ کتاب الصحیفۃ الکبیر کتاب الصحیفہ الصغیر خود ابن ندیم کی نگاہ سے گزری تھیں۔ تاریخ اسلام ج ۲ ص ۳۵۳ (شاہ معین الدین)

ان کے علاوہ جن مسلمان کیمیا دانوں نے اس فن میں نمایاں خدمات سرانجام دیے۔ ان میں جابر بن حیان اول نمبر پر ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جابر بن حیان اس فن کا بانی مبانی تھا۔ کیمیا تو ہے علم جابر۔ ابن خلدون نے "مقدمہ" میں لکھا ہے کہ فن کیمیاگری پر جابر نے ستر رسالے لکھے ہیں۔ اور ان میں کیمیاوی اصطلاحات استعمال کی ہے۔ جابر بن حیان نے گندھک اور شورے کا تیزاب کا آمیزہ تیار کیا۔ کیمیاوی مرکبات کو خالص حالت میں جدا کرنا۔ نامیاتی اشیاء سے نوشادر بنانا سب سے پہلے جابر بن حیان نے اس کے تجربے کئے۔ نیز یہ پہلا کیمیا دان تھا جس نے معدنیات کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔

دوسرے نامور ماہر کیمیا ابوبکر زکریا رازی RAZES ہے جس نے اپنی کتاب "الحاوی" میں پہلی مرتبہ گندھک کا تیزاب بنانے کا طریقہ بتایا اور عمل کشید کے ذریعہ الکحل کو چینی اور میدہ سے تیار کیا۔ نیز اس نے کیمیاوی عمل اور آلات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

۱؎ ابو عبداللہ جابر بن حیان بن عبداللہ کوفی معروف بہ صوفی۔ حیان (والد) کوفہ میں عطر سازی اور دوا سازی کا کام کرتا تھا۔ بنوامیہ کے زوال کے وقت "طوس" چلا گیا۔ ۷۲۲ء میں اس کے ہاں طوس ہی میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام جابر رکھا۔ اس (جابر) کے بارے میں لوگوں کی مختلف رائے ہیں۔ شیعہ حضرات اسے اپنے کبار اور ابواب میں سے گردانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ جعفر صادقؒ کا صحبت یافتہ تھا اور کوفہ کا باشندہ تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ برامکہ سے وابستہ تھا اور جعفر بن یحییٰ برمکی سے خصوصی تعلق رکھتا تھا۔ جو لوگ کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جب یہ اپنے آقا جعفر کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد جعفر برمکی ہوتا ہے۔ مگر شیعوں کے نزدیک اس سے جعفر صادق مراد ہے۔ الفہرست اردو ترجمہ ص ۶۲۳۔ ۲؎ ہمارے استاد ابو موسیٰ جابر بن حیان اسی طرح فرماتے ہیں۔ الفہرست ۶۲۳۔ فن کیمیا پر اس کی بے شمار کتابیں ہیں جب کوفہ واپس آیا تو وہاں ایک لیبارٹری بنائی اور کیمیاوی تجربات شروع کئے۔ ۹۵ برس کی عمر میں فوت ہوا۔

الطغرائی[۱] نے بھی علم کیمیا پر عربی زبان میں بہت سے کتابیں لکھیں۔ "مفاتیح الرحمۃ و مصابیح الحکمۃ" قلمی علم کیمیا کی عدیم المثال کتاب ہے۔ جس میں طغرائی نے اصول کیمیا کو نہایت بسط و جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے جا بجا شکلیں بھی توضیح کے لیے دی ہیں۔

اس کے علاوہ صنعتی کیمسٹری میں بھی مسلمان سب سے آگے تھے۔ کاغذ اور بارود مسلمانوں نے ایجاد کئے۔ اور سب سے پہلے مسلمانوں نے ۱۳۴۲ء میں آتشیں اسلحہ استعمال کیا۔

۱ے الطغرائی جیفہانی۔ نام حسین بن علی بن محمد۔ کنیت ابو اسماعیل۔ لقب موید الدین اصفہانی۔ طغرائی سے مشہور تھے اپنے زمانے کے فاضل اجل تھے۔ ان کی نظم اور نثر اس قدر بلیغ تھی کہ تمام اقران میں وہ منشی کے لقب سے مشہور ہوئے آپ موصل میں سلطان مسعود بن محمد سلجوقی کے وزیر تھے۔ جب سلطان مسعود کی اپنے بڑے بھائی سلطان محمود کی لڑائی ہوئی۔ اور غلبہ دوسری جانب رہا تو طغرائی بھی پکڑا گیا۔ اور محمود کے وزیر نے اس پر الحاد کا الزام لگا کر اسے قتل کرا دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ اپنی اعلیٰ قابلیت سے محمود کے دل میں جگہ کرے گا جس سے اس کے اپنے زوال میں آ جانا بالکل قرین قیاس ہے یہ افسوسناک واقعہ ۵۱۵ھ ۱۱۲۱ء میں وقوع پذیر ہوا۔ جب کہ اس کی عمر ۶۰ سال تھی۔　(لباب المعارف العلمیہ ص ۳۰۶)

داخلہ

جامعہ حنفیہ انوریہ ـــــــ اکاڑہ

زیر سرپرستی: شیخ الحدیث مولانا عبد الحنان صاحب دیوبندی

اس سال سے درس نظامی کا اجراء کیا جا رہا ہے۔ طلبا کو مفت رہائش۔ خوراک۔ ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا۔ خواہشمند طلباء ۱۵ شوال تک داخلہ کے لئے تشریف لائیں اگر کوئی مستند مدرس کم از کم دس طلبا کے ساتھ آنا چاہیں تو بذریعہ خط اپنی شرائط ملازمت، تعلیمی معیار اور تجربہ کے بارے میں مطلع فرمائیں۔

مولانا عبد القدیم کیمبلپوری صدر مدرس جامعہ حنفیہ انوریہ۔ ریلوے پل۔ اوکاڑہ

مآثر طورو

قسط ۲

از عبد الحلیم اثر افغانی

طورو کے گیلانی سادات

مولانا سیّد گل بادشاہ امیر جمعیۃ العلما اور ان کے

اکابر

گذشتہ قسط میں ہم نے بحالہ آثار ثانی طورو کے دو گیلانی خاندانوں کا ذکر کیا تھا۔ جن کا سلسلہ نسب حضرت السید الشیخ میراں محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی کے دو فرزندوں حضرت السید الشیخ سیف الدین عبد الوہاب (اپنے والد کے سجادہ نشین) اور حضرت السید الشیخ شمس الدین عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔

عبد الوہابی سادات کے سلسلہ میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ اس نسل سے سید محمد شاہ مندوران کی نسل کے مندوری سادات طورو میں آباد ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نسل سے اس مندوری سید کا جو علاقہ خٹک کے موضع مندوری سے سب سے پہلے طورو میں تشریف لائے، ذکر کریں گے۔ اور اس خاندان پر تفصیلی بحث کریں گے۔

عبد العزیزی سادات کے سلسلہ میں ہم نے حضرت السید الشیخ محمد یونس گیلانی کی نسل میں سے حضرت السید الشیخ عبد الجمیل گیلانی کا ذکر کیا تھا جو حضرت السید الشیخ محدث کبیر سید محمد انور شاہ کشمیری الحسنی از نسل سید مسعود ابن سید یوسف الحسنی کی نسل سے ہیں۔ یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ گیلانی سادات کا سلسلہ نسب سید داؤد الامیر تک پہنچتا ہے اور حضرت السید الشیخ محمد انور شاہ کشمیری کے حسنی خاندان کا سلسلہ نسب سید داؤد الامیر کے بڑے بھائی حضرت السید الشیخ محمد اکبر سائر الصابرین کی نسل میں سے سید ابو الطیب علی متوفی ۳۵۵ھ ۰ ۸ ۵ ۱۱ سے جا ملتا ہے ہم اس طیبی حسنی سادات کے خاندان سے بحث کریں گے۔ تاکہ یہ واضح ہو کہ حضرت السید الشیخ محمد انور شاہ کشمیری کے آباؤ اجداد وادی پشاور کے کس علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ کہ اس طیبی الحسنی الصابری نسل کے کون سے مشاہیر طورو میں آکر اپنے عزیز گیلانی سادات کے ساتھ آباد رہے ہیں۔

ہم حضرت السید الشیخ عبد الجمیل کے خاندان پر نئے سرے سے تاریخی تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالیں گے۔ تاکہ مخدوم زادہ بحر العلوم العالم الفاضل والعارف الکامل محقق مورخ علامہ محمد امین خوگیانی اور خود راقم الحروف کو جن التباسات اور اشتباہات کا سامنا کرنا پڑا ہے ان کا ازالہ ہو سکے۔

حضرت مخدوم زادہ محمد امین دام افضالہم ابھی بقید حیات ہیں مجلہ الحق کے ذریعہ اپنی معلومات میں ترمیم و اضافہ فرما سکیں گے۔

سید عبدالجمیل کے دوسرے استاد ہم حضرت السید الشیخ محمد انور شاہ کشمیری کے استاد اور شیخ السید الشیخ عبدالجمیل کے ایک دوسرے استاذ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو گیلانی سادات کی خاندان سے ہے۔ طورو کے رہنے والے تھے لیکن عبدالوہابی اور عبدالعزیزی کے علاوہ تیسرا گیلانی خاندان ہے۔

حضرت السید الشیخ میراں محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی کا اسم کنیت ابو محمد ہے۔ اس محمد کا پورا نام ہے ابوالفضل محمد جمال المسندین۔ یہ محمد جو مسند علم اور مسند عرفان کے جمال تھے۔ ان کی نسل سے سید یحییٰ الملقب بہ خداداد طورو تشریف لائے تھے۔ آپ سید محمد یونس گیلانی کے ہمعصر تھے۔ یوں سمجھئے کہ دونوں ایک ساتھ طورو تشریف لائے تھے۔

سید یحییٰ خداداد کی نسل میں سے سید شبیر احمد ابن سید احمد ابن سید محمد سلیم ابن سید عبدالحلیم المعروف بہ محمد حلیم ابن سید یحییٰ خداداد جن کا سلسلہ نسب سید ابوالفضل محمد کی نسل سے سید علی زندہ پیر تک پہنچتا ہے۔ راقم الحروف نے اپنی تالیف حسنی سادات جلد سوم میں اس خاندان پر تفصیلی بحث کی ہے۔

حضرت السید الشیخ شبیر احمد کے دو فرزند تھے۔

۱۔ سید محمد امیر قادری۔ ان کے فرزند تھے۔ سید فضل الرحیم قادری ان کے تین فرزند تھے۔ لطیف الرحیم فیض الرحیم اور عبدالوہاب۔

حضرت مولانا سید گل بادشاہ امیر شریعت اور صدر جمعیۃ العلماء صوبہ سرحد کا اسم گرامی سید لطیف الرحیم تھا۔ آپ کے والد ماجد سید فضل الرحیم جنوبی آسام کے پیر طریقت تھے اور حضرت مولانا السید الشیخ حسین احمد مدنی چشتی صابری صدر جمعیۃ العلماء ہند و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند شمالی آسام کے پیر طریقت تھے۔ سید فضل الرحیم گیلانی قادری اور حضرت حسین احمد مدنی چشتی دونوں رمضان کا مہینہ سلہٹ میں گذارا کرتے تھے۔ سید لطیف الرحیم اپنے والد ماجد فضل الرحیم کے ساتھ سلہٹ میں تھے۔ حضرت سید حسین احمد مدنی نے ان کو اپنی فرزندی میں لیا۔ دیوبند ساتھ لایا۔ ان کا نام سید گل بادشاہ رکھا یہ نام ایسا مشہور ہوا کہ ان کا اپنا نام پس منظر میں چلا گیا۔ سید مدنی نے سرحد و قبائل میں اپنے تمام شاگردوں اور تعلقداروں کو صریح الفاظ میں خطوط لکھ کر حکم دیا کہ سید گل بادشاہ کو صدر جمعیۃ العلماء سرحد کے طور تسلیم کریں ان کے احکام کی تعمیل کریں اور تب ان کی یہ شان تھی کہ ایک دفعہ ضلع بنوں میں مولانا صدرالشہید کے دارالعلوم میں تھے۔ شمالی وزیرستان سے علماء اور مشائخ لاریاں بھر کر حاضر خدمت ہوئے۔ شہر بنوں سے سترہ میل دور مقام کھجوری پر چھ ٹولیوں سے ایک سو ایک فائر کر کے سلامی دی گئی۔ رائفلوں اور بندوقوں کے فائر ان کے علاوہ تھے۔ اس بیان کے راوی سید گل بادشاہ مرحوم کے شاگرد خاص حافظ سید احمد شاہ صاحب ہیں جو ضلع مردان وادی سدوم

کے موضع الی کے باشندے ہیں۔ مدت العمر موضع[1] سواڑیاں ہیں سید گل بادشاہ کے پاس رہے۔ ان کے سفر و حضر میں ساتھی اور مقام کھجوری کے واقعات کے عینی شاہد تھے۔

مقام کھجوری پہ حضرت امیر شریعت سید گل بادشاہ مرحوم کی تقریر کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ یا وہ لوگ تھے جو فائرنگ کرتے ہوئے اپنے روایتی انداز میں ناچ رہے تھے۔ یا وہی لوگ جوزار و قطار رو رہے تھے۔ اور شریعت محمدی کی مکمل تابعداری کا وعدہ کرنے کا اعلان کر رہے تھے۔

سید لطیف الرحیم گل بادشاہ کو سلسلہ قادریہ میں اپنے والد سید فضل الرحیم سے اور سلسلہ چشتیہ صابریہ میں میں اپنے شیخ حسین احمد مدنی سے نسبت حاصل تھی۔ اور امیر شریعت ہونے کے فیض کا سلسلہ چشتیہ صابریہ سے تعلق رکھتا تھا اور یہ بات واضح ہے۔ حضرت السید الشیخ علاء الدین محمد صابر چشتی کلیری نسلاً شیخ عبد القادر جیلانی کے فرزند السید الشیخ سیف الدین عبد الوہاب کی نسل میں سے تھے۔

راقم الحروف کے ایک مشفق دوست جو سلسلہ عالیہ قادریہ کے شیخ ہیں۔ فاضل عالم ہیں لیکن ان پہ شیخی کے حالات اور ارادت کا غلبہ ہے۔ اس نے حضرت امیر شریعت سید گل بادشاہ مرحوم کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے۔ اسے یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سید گل بادشاہ کا مقام | میرے اس قادری مشرب دوست نے بتایا کہ حضرت مولانا سید گل بادشاہ سے زندگی میں میرے دل میں کدورت تھی۔ وہ ہمیشہ مجھے شیخ صاحب کہہ کر خطاب کرتے۔ کبھی وہ مجھے عالم، مولانا یا مولوی نہیں کہتے تھے۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عالم کنج خلوت میں بیٹھ کر نہیں بلکہ بر سر منبر کھڑے ہو کر شریعت محمدی کی خدمت کرتا ہے۔ اس کے لئے جیل کی کوٹھڑیوں میں جانا پڑتا ہے۔ مسجد کے گوشہ عزلت میں نہیں بیٹھا کرتے۔ جناب شیخ صاحب۔

ایسے حالات میں میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک مسجد میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف فرما ہیں ان کی قبائے مبارک میلی ہو رہی تھی سید گل بادشاہ نے اسے دھو کر دھوپ میں خشک ہونے کے لئے پھیلا دیا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر جو قمیص ہے وہ ململ کپڑے کی زردی مائل چکدار قسم کی ہے۔ سفید تہمد باندھے ہوئے ہیں۔ سید گل بادشاہ دربانی کے لئے کھڑے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی شرف باریابی کے لئے حاضر نہیں ہو سکتا۔

شیخ صاحب نے فرمایا۔ میں کسی طرح چپکے سے ایک ستون کے آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ کہ جیسے ہی سید گل بادشاہ کی توجہ دوسری طرف ہو جائے تو میں دوڑ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قدم بوسی کروں۔ کافی دیر گذری کہ اتنے میں

---

[1] جب ۱۲۴۶ھ – ۱۸۳۰ء میں نالہ کلیانی نے طورو شہامت پور کے شمالی حصہ کو دریا برد کر دیا تو اس حصہ کے لوگوں نے آثار قدیمہ کی ایک ڈھیری سواڑیاں پہ یہ گاؤں تعمیر کیا تھا۔

سید گل بادشاہ کی نظر مجھ پر پڑی۔ مجھے اشارہ کیا اور کہا آؤ حضور نبی کریم ﷺ کو سلام کرو۔ میں گیا حضور ﷺ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ سید گل بادشاہ نے عرض کیا حضور یہ شیخ صاحب ہیں ان پر توجہ فرمائیں کہ ان کے مریدوں کا حلقہ بڑھے اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی انگشت سبابہ سے زمین پر میرے لئے ایک دائرہ کھینچنا چاہتے تھے اس پر سید گل بادشاہ نے عرض کیا حضور اس کے لئے وسیع دائرہ بنائیں تاکہ اس کے روحانی فیض سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

جب راقم الحروف سے اس قادری مشرب شیخ نے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو میں نے عرض کیا کہ آپ کے اس خواب کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ یہ خواب سچی ہے۔ دلیل یہ کہ حدیث شریف میں ہے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ سچ دیکھا۔ ان الشیطان لایتمثل بی۔ شیطان کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ میری شکل میں کسی کو خواب میں نظر آئے۔ اس خواب کے دوسرے پہلو سے سید گل بادشاہ صاحب کے مقام کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس خواب کا وہ حصہ جس میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبائے مبارک کے دھونے کا ذکر ہے۔ قبائے مبارک سے مراد ہے شریعت محمدی۔ اس شریعت محمدی پر عہد حاضر میں جن لادینی تصورات کے گرد وغبار پڑے ہوئے ہیں سید گل بادشاہ نے بحیثیت امیر شریعت اس قبائے شریعت کو لادینی تصورات سے پاک وصاف کرنے کے لئے انتھک جدوجہد کی اور جیل کی صعوبتیں برداشت کیں اور ایسے میں روح پرفتوح محمدی کے انوار وتجلیات سید گل بادشاہ کے روئے مبارک پر رقصاں ودرخشاں رہتیں۔ وہ انتہائی مصائب کے دوران بھی مسکراتے رہتے۔

تالیفات | مرحوم سید گل بادشاہ کی پانچ تالیفات تھیں جو سب پشتو زبان میں تھیں ان کے نام یہ ہیں:۔ رسالہ میراث۔ تعلیم الاسلام۔ اصول حدیث۔ چہل حدیث اور درس حدیث۔ ان میں چہل حدیث آپ نے پشاور جیل میں لکھی اور اسی جیل میں اس کا درس دیا کرتے تھے۔ پانچویں کتاب آپ کے ان تدریسی مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے شہر ہوتی مردان کے محلہ باڑہ چم کے نوجوانوں کی ایک مجلس علمی میں مسلسل ارشاد فرمائی تھیں۔ یہ تدریسی مضامین درس قرآن اور درس حدیث دونوں سے متعلق تھیں۔ ان مضامین کے اختتامی تقریب کی صدارت حضرت مولانا السید الشیخ مفتی محمود رحمتہ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ شاید ان پانچ مطبوعہ تالیفات میں سے کوئی جلد حضرت گل بادشاہ مرحوم کے شاگرد خاص جناب حافظ سید احمد شاہ سدومی کی وساطت سے ہاتھ آجائے۔ اور میں اسے دارالعلوم حقانیہ کی نذر کردوں۔

اولاد | حضرت سید گل بادشاہ کا ایک ہی فرزند تھا جو ان کی زندگی ہی میں فوت ہوگیا۔ اور ان کی چار لڑکیاں زندہ ہیں۔ ۱۔ سیدہ مدینہ۔ زوجہ سید عبدالظہر پیر شدومی۔ ۲۔ سیدہ کلثوم زوجہ سید محمد کمال۔ ۳۔ سیدہ حامدہ زوجہ سید اظہر شاہ ۴۔ سیدہ جمیلہ۔ ان میں سے سیدہ حامدہ کے شوہر سید اظہر کے والد ماجد سید فیض الرحیم حضرت سید گل بادشاہ سے چھوٹے بھائی ہیں۔ سید فضل الرحیم مرحوم کے بعد جنوبی آسام کے مریدین کا تعلق اب سید گل بادشاہ صاحب کے چھوٹے بھائی

سید فیض الرحیم سے متعلق ہے ہر دو سال بعد رمضان کے مہینہ میں وہاں جایا کرتے ہیں جب کہ حضرت مولانا السید الشیخ حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند سید محمد اسعد مدنی دام افضالہ ہر سال ماہ رمضان سلہٹ میں گذارا کرتے ہیں ان دونوں خاندانوں کی بدولت وہاں بے شمار اہل ہنود مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ مرحوم سید گل بادشاہ صاحب امیر شریعت کو راقم الحروف الحسنی والحسینی سے بڑی شفقت و محبت تھی۔ میری زندگی میں طوروکے دو گیلانی مشاہیر میرے غریب خانہ پر تحت بھائی تشریف لائے ہیں۔ ۱۔ مخدوم زادہ علامہ محمد امین خوگیانی ۲۔ اور مخدوم زادہ گل بادشاہ امیر شریعت۔ میں نے جس نسبت سے بطور خاص سید گل بادشاہ کو مخدوم زادہ لکھا اس کی وضاحت آجاتی ہے۔

__سید محمد انعام__ | حضرت مولانا السید الشیخ لطیف الرحیم المعروف سید گل بادشاہ کے جد امجد سید محمد امیر کے چھوٹے بھائی تھے۔ سید محمد انعام جو عالم علوم دینیہ فقہ اصول تفسیر و حدیث میں اپنے عہد کے استاد کل تھے۔ ان کی دختر نیک اختر سید گل بادشاہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ سید گل بادشاہ[1] کے والد ماجد سید فضل الرحیم ان کے شاگرد اور حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کے شیخ اور استاد حضرت السید الشیخ عبدالجمیل اور ان کے بڑے اور چھوٹے بھائی سب ہی ان کے شاگرد تھے۔ اس نسبت سے بطور خاص ان کو استاد الکل کہا گیا کہ وہ طوروکے عبدالعزیزی گیلانی سادات کے تمام طالب علموں کے استاد تھے۔ اور یہ تھے علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کے شیخ اور استاد السید الشیخ حافظ عبدالجمیل کے وہ دوسرے استاد جن کے اسم گرامی کا ذکر کرنے کے لئے راقم الحروف نے یہ تمہید باندھی ہے۔ اس طریقہ سے سلسلہ تلمذ یوں بنتا ہے۔

فقیر عبدالحلیم اثر عن سید اسماعیل گیلانی

مولانا عبدالحق عن محمد انور شاہ عن سید عبدالجمیل (برادر اصغر سید اسماعیل) عن سید الشیخ محمد انعام ہو عن ابیہ سید شیر احمد ہو عن ابیہ سید احمد ہو عن ابیہ محمد سلیم ہو عن ابیہ السید الشیخ عبدالحلیم عرف محمد حلیم ہو عن ابیہ سید یحیٰ عرف خداداد اور سید یحیٰ خداداد کے تین بھائی اور تھے ۱۔ جمال الدین حسن اللہ داد ۲۔ جلال الدین عمر میرداد ۳۔ کمال الدین یعقوب برخوردار ۴۔ علاؤ الدین یحیٰ خداداد اور ان چار بھائیوں نے

عن ابیہم سید شیخ سیف الدین احمد المعروف بہ میر شہداد و ہو عن ابیہ السید الشیخ نورالدین محمد المعروف بہ میراں محمد شاہ[5] و ہو عن ابیہ السید الشیخ حافظ عبدالعظیم عرف محمد عظیم ہو عن ابیہ السید الشیخ میر علی زندہ پیر ہو عن ابیہ السید الشیخ نورالدین محمد ہو عن ابیہ السید الشیخ مسعود ہو عن ابیہ السید الشیخ عبداللہ گیلانی المغربی ہو عن ابیہ السید الشیخ عمر ہو عن ابیہ السید الشیخ حسن و ہو اخاہ الاکبر السید الشیخ ابو احمد جعفر فضل اللہ عن ابیہم السید الشیخ الحافظ المحدث الفقیہ جمال المسندین مسند العلم والعرفان ابوالفضل محمد متوفی ۶۰۰ھ – ۱۲۰۴ء و ہو عن السید الشیخ میراں محی الدین ابو محمد شیخ عبدالقادر جیلانی۔

---

[1] سید گل بادشاہ کی زوجہ محترمہ سید عبداللہ جی کی دختر تھیں۔ سید عبداللہ جی مانڈوری سادات کے خاندان سے تھے

متوفی ۶۱ ۵ ھ ۲۶ ربیع الثانی ۱۶ فروری ۱۱۶۶ ء درقدہ المبارکہ بیغداد

استدراک | الف۔ سید علی زندہ پیر کے نام سے اس خاندان میں کئی ایک مشاہیر ہو گذرے ہیں۔ سید میر علی زندہ پیر اول کا مزار شمالی وزیرستان اور شہر بنوں کے درمیان علاقہ دوڑ میں جس مقام پر ہے وہ آپ کے نام پر میر علی کہلاتا ہے۔ آپ کی نسل وہاں موجود ہے جن میں نقیب الاشراف بھی ہیں اور میر میراں بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ میر یعقوب چرخی جن کی ولادت شہر کابل سے ۱۲ میل جنوب میں علاقہ لہوگر کے موضع چرخ میں ہوئی تھی۔ اور ۱۵ صفر ۸۵۱ ھ ۔ ۱۴۴۷ ء میں ہوئی۔ آپ کا مزار شہر ہرات کے نواح بلغتو میں ہے (بحوالہ کتاب سلاسل طریقت طبع لاہور ص ۱۳۰ ۔ ۱۹۲۲ ء)۔

اس میر یعقوب کا سلسلہ نسب اور سلسلہ طریقت دونوں حضرت میر علی زندہ پیر سے ملتے ہیں اس میر یعقوب کی اولاد بھی موضع میر علی اور شمالی وزیرستان میں موجود ہے۔ ان کی نسل سے سید میر حسین کا مزار قبائلی علاقہ باجوڑ میں ہے۔ خواجہ میر یعقوب چرخی کے مرید تھے۔ خواجہ ناصر الدین عبداللہ سمرقندی ان کے مرید تھے۔ حضرت مولانا محمد زاہد ولی (محمد درویش) جد امجد سید محمد یونس گیلانی ان کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ محمد امکنگی سمرقندی بخاری ان کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی اور ان کے مرید تھے حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی مجدد الف ثانی متوفی سہ شنبہ ۲۶ صفر ۱۰۳۴ ھ۔ مزار سرہند در شمال علاقہ کیتھل [1]

تیسرا واسطہ | اور اس طرح سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے استاد مولانا السید الشیخ عبدالجمیل کے ارادت و توسل کا یہ تیسرا واسطہ ہے جو سید میر محمد انعام کے جد امجد سیداں میر علی زندہ پیر کی نسل کے سید میر یعقوب چرخی سے جا ملتا ہے۔

---

[1] سید شاہ سکندر کمال کیتھلی گیلانی کے مرید تھے۔ شیخ عبدالواحد ان کے مرید تھے ان کے اپنے فرزند شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ کمال سکندر کیتھلی گیلانی کا سلسلہ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے فرزند ابو عبدالرحمٰن عبداللہ سے جا ملتا ہے۔ اس عبدالرحمٰن کے چھوٹے بھائی تھے۔ عبدالقادر ثانی ان کے فرزند تھے۔ نورالدین محمد ان کے فرزند تھے۔ ابوالعلا ابراہیم شاہ سکندر اس ابوالعلا کی نسل سے ہیں۔ کیتھل دہلی سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر شمال کی طرف ہے۔ اور اس کے شمال میں سرہند کا علاقہ ہے ؛

قسط : ۵

مولانا مدرار اللہ مدرار

تحریک روشنیہ اور اسکا بانی

دعاوی و نظریات کا ایک جائزہ

"تمہید" نے لکھا ہے کہ تناسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ اہل تناسخ کہتے ہیں کہ کل ارواح اور کل موجودات اللہ تعالیٰ کے وجود کا جز ہیں اور کہتے ہیں کہ تکوین اور مکوّن اور تفصیل اور مفعّل ایک ہے۔ اس مطلب کے لئے "تمہید" کی یہ عبارت ملاحظہ کیجئے۔

والصنف الثانی یقولون بان الارواح کلها والاعیان کلها من جزء الصانع ومن قال بان التکوین والمکون والتفصیل والمفعل واحد فانه یلزم مه هذا القول من التناسخیة (تمہید ابی شکور سالمی صہ ۲۱۴)

تمہید کے بیان کردہ اس عقیدہ تناسخ کے مطابق بایزید بھی تمام موجودات اور ذرّات کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کا جزو سمجھتا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ انسان کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔

اس کے لئے بایزید کے درج ذیل تین الہامات ملاحظہ کیجئے۔

جملہ موجودات خدا کی ہستی سے جدا نہیں ہیں

۱۔ ہستی من وجملہ موجودات و ذرّہ از ذرّات از ہستی خدا جدا نیست و نبود (صراط التوحید صہ ۹)

ترجمہ۔ میری ہستی اور جملہ موجودات اور تمام ذرّات خدا کی ہستی سے جدا نہیں ہیں اور نہ تھے۔

انسان کی ذات خدا کی ذات سے ہے

۲۔ کذالک الانسان کان عن ذات الرحمٰن (خیر البیان صہ ۲۷۶)

ترجمہ۔ اسی طرح انسان کی ذات بھی خدا کی ذات سے ہے۔

میں نے ہر چیز اپنی ہستی سے پیدا کی ہے

۳۔ دیکھو بایزید! میں نے ہر چیز کو اپنی ہستی سے اپنی ہستی کے لئے ایک ایک کر دیا ہے۔ ہر ایک میں ایک خدا ہوں بیگمان (خیر البیان صہ ۲۷۴)

مندرجہ بالا الہامات سے یہ حقیقت سورج کی روشنی کی طرح ثابت ہوئی کہ بایزید تناسخ کا عقیدہ رکھتا تھا اور اہل تناسخ سے تھا۔

بایزید کا چلّہ بدعات کا مجموعہ تھا

۴۔ صراط التوحید میں ہے کہ بایزید نے قندہار کے سفر سے واپسی پر "کانی گرم" میں اپنے گھر کے اندر ایک تہہ خانہ بنایا۔ اور اس میں مسلسل پانچ سال تک چلّہ کھینچا۔ وہ خود کہتا ہے کہ میں اس پانچ سال کے عرصے میں سوائے قضائے حاجت اور وضو کے باہر نہیں نکلا۔ اب دیکھنے کی چیز یہ ہے

کہ اس کا یہ چلّہ سنّت نبوی اور اسلامی طریقے کے مطابق تھا یا یہ تمام بدعات سے بھرا ہوا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرے میں مسجد نبوی ؐ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور اعتکاف کے دوران پنجگانہ نماز اور جمعۃ المبارک کو جماعت اور امامت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ دوسرے بزرگان اسلام بھی ہمیشہ مسجدوں یا مسجدوں کے ساتھ ملحقہ حجروں میں چلّے کھینچتے رہے جن میں وہ نہایت پابندی کے ساتھ پنجگانہ نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے رہے ہیں۔

احادیث نبویؐ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو سنن ہُدیٰ کہا گیا ہے اور تارک جماعت کو منافق قرار دیا گیا ہے لیکن بایزید اپنے چلّے کے دوران پانچ سال تک نماز با جماعت اور جمعۃ المبارک وغیرہ واجبات و سنن کی ادائیگی کے لئے اپنے چلّے سے باہر نکل کر مسجد کو نہیں گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ حضور علیہ السلام کی سنّت مطہرہ اور واجبات کا تارک ہوا۔ رمضان المبارک میں فرض اور نماز تراویح کی با جماعت ادائیگی سے محروم رہا اور نماز عیدین کا بھی تارک رہا۔

اور سب سے بڑی بدعت یہ کہ اس نے اس چلّے میں اپنی بی بی شمسو کو اپنے غیر محرم مریدوں کے ساتھ بٹھایا تھا اور مرد وزن سب مل کر اعمال چلّہ کشی بجالاتے تھے۔ بایزید کی یہ بدعت شرعاً مذموم ہونے کے علاوہ افغانی روایات اور غیرت و حمیّت کے بھی خلاف تھی۔ اس وجہ سے کافی گرم کے لوگوں نے اس چیز کو بری طرح محسوس کیا اور جب ایک چلّہ نشین علی شیر کی ماں نے تہہ خانے میں آکر بایزید سے اس امر کی شکایت کی تو اس نے کہا کہ بی بی شمسو چلّہ نشینوں کی بہن (دینی) ہے۔ ان کے سامنے آنے جانے میں حرج نہیں۔ حالنامے کا بیان ہے کہ اس چلّہ کھینچنے والوں میں بایزید کے علاوہ اس کی بی بی شمسو۔ علی شیر۔ شادی خان اور بخت خان تھے (حالنامہ صد ۲۷، ۷۳)

ایک فاتنی نام عورت کو خلیفہ بنایا

۷۵۔ بایزید نے ایک عورت فاتنی نام کو اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ اور اس کو مرد وزن کو مرید بنانے کی باقاعدہ اجازت تھی (ورکہ خزانہ صہ)

ایک لڑکے کو عیسیٰ ثانی کا خطاب

۷۶۔ قبیلہ تری کے تمام مرد اور عورتیں ایک مسجد میں جمع ہو گئے۔ اور ذکر خفی میں مشغول ہو گئے۔ ان میں ایک بوڑھی عورت تھی جس نے چالیس دن تک کچھ نہ کھایا۔ اور ذکر حق میں مشغول رہی۔ یہ لوگ اس کو مریم ثانی کہتے تھے۔ اس زمانے میں اس قبیلے میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کو اس قبیلے کے لوگوں نے عیسیٰ ثانی کا لقب دیا۔ (بحوالہ حالنامہ و تذکرہ صوفیائے سرحد صہ ۱۵۶)

قبیلہ تری اور ان کے سردار عبدالکریم سب کے سب بایزید کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ حالنامے کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اس قبیلے کے سب مرد وزن اپنے گھروں سے نکل کر مسجد میں مخلوط طور پر رہنے لگے اور مسجد میں مخلوط سکونت کئی مہینے جاری رہی۔ یہاں تک کہ ایک عورت نے مسجد میں ایک لڑکے کو جنم دیا جس کو اس قبیلے

کے لوگوں نے عیسیٰ ثانی کا لقب دیا۔ اور ایک بوڑھی عورت کو مریم ثانی کا خطاب دیا۔ اور یہ دونوں امر شریعت کے خلاف ہیں۔ اب روشانی ادیب ہی اس بات کی توجیہہ کریں گے کہ مسجد میں پیدا ہونے والے اس لڑکے کو عیسیٰ ثانی کا لقب کس مناسبت اور مشابہت کی وجہ سے دیا گیا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے تھے۔ اور مشبّہ اور مشبّہ بہ میں وجہ مشابہت ضرور ہونی چاہئے اور یہ وجہ مشابہت ہمیں از راہ کرم روشانی ادیب ہی بتائیں گے۔ جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہوں گے۔

دراصل بایزید کی دو خصوصیتیں بہت نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے موسیقی اور رقص و سرود کو دینی حیثیت سے پختونوں میں عام کر دیا۔ اور دوسری خصوصیت یہ کہ اس نے دینی اجتماعات وغیرہ میں مرد و زن کے اختلاط کو رائج کیا اور شرعی پردے کو درمیان سے ہٹا دیا۔

مسجد میں قبیلہ توی کے مذکورہ اجتماع اور مرد و عورت کے اختلاط کے ضمن میں چند اور باتیں بھی شرعاً قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ مسجد میں جنابت حیض اور نفاس کی حالت میں داخلہ ممنوع ہے۔ اور پھر مستقل طور پر حیض و نفاس کی حالت میں مسجد میں رہنا اور بھی شدید ممنوع ہے۔ ثالثاً مسجد کو وضع حمل کے لئے استعمال کرنا مسجد کی سخت توہین ہے۔ رابعاً مسجد میں میاں بیوی کا جنسی اختلاط نہ صرف حرام بلکہ مسجد کی شدید بے حرمتی ہے اور بایزید کے مریدوں نے مسجد میں مذکورہ سکونت کے دوران ان تمام حرام اور قبیح کاموں کا ارتکاب کیا۔

عورتیں اپنے گانوں میں بایزید کو سراہتی تھیں

۷۷۔ بایزید کے ساتھ مردوں اور عورتوں کو بڑی عقیدت تھی۔ مرد اس کے قدم چومتے تھے اور عورتیں اپنے گانوں میں بایزید کی تعریف و توصیف کرتی تھیں بایزید جب اپنے گاؤں کانیگرم سے اقارب و اجانب کی عداوت کی وجہ سے اورمڑ۔ دوڑ اور بنگش سے گذر کر تیراہ پہنچا تو حالنامے کے بیان کے مطابق مردوں اور عورتوں نے اس کا استقبال اس طور پر کیا۔

" اکثر پیشوا آمدہ قدم بوسی پیر دستگیر قدس سرہٗ کردند و شادی ہا نمودند بہر بہر دیہہ کہ می گذشت۔ اکثر زنان آں دیہہ سبو از آب پر کردہ بر سر گرفتہ از دیہہ بیرون می آمدند۔ ولقش می خواندند۔ و در لقش صفت پیر دستگیر می کردند" (مقابلہ خیر البیان صد ۲۳)

ترجمہ۔ اکثر لوگ استقبال کو آتے اور بایزید کی قدم بوسی کرتے اور خوشیاں مناتے۔ جس گاؤں سے بایزید گذرتا۔ اس کی عورتیں پانی کے گھڑے سروں پر اٹھاتی ہوئی آتیں اور گانا گاتیں۔ جس میں بایزید کی تعریف و توصیف بیان کرتیں۔

اس واقعے میں جو اثرات مضمر ہیں ان کی توضیح کی مزید ضرورت نہیں۔

دعویٰ نبوت پر خاتمہ بھی ہوا

۷۸۔ چوں درد سر بر پیر دستگیر غالب شد و وقت وصال رسید۔ یاران

الحق

پرسیدندش کہ وقت نازک رسیدہ است۔ پیر دستگیر چیزے بفرمایند۔ اثر پیر دستگیر قدس سرہٗ فرمودہ کہ آں چہ حق تعالیٰ بر دل من الہام کردہ من در خیر البیان نوشتم و دراں ہیچ بخل نہ کردم بر نبی و وارث نبی امر است بَلِّغْ مَا اُنزِلَ اِلَیْکَ (حالنامہ ص ۳۴۱)

ترجمہ۔ جب پیر دستگیر پر درد سر غالب ہوا۔ اور وفات کا وقت قریب ہوا تو اس کے یاروں نے اس سے کہا کہ وقت نازک ہے پیر دستگیر کچھ فرمائیں۔ پیر بایزید نے کہا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے میرے دل پہ الہام کیا تھا وہ میں نے خیر البیان میں لکھ دیا ہے۔ اور میں نے اس میں بخل نہیں کیا۔ پیغمبر کے پیغمبر کے وارث کو حکم ہے کہ جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دے۔

اس عبارت میں بایزید نے اپنی عادت کے مطابق زندگی کے آخری لمحوں میں بھی وہی بات کہی جو عمر بھر کہتا رہا۔ اور وہ یہ کہ ان آخری لمحوں میں بھی اپنے آپ کو پیغمبر کا ہم مرتبہ ظاہر کیا۔ اور صاف کہا ہے کہ پیغمبر اور وارث پیغمبر کو یکساں حکم ہے کہ دونوں پہ اللہ کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے انہیں لوگوں تک پہنچانا دونوں کا یکساں فریضہ ہے اور اسی اساس پہ بایزید نے کہا کہ حق تعالیٰ نے میرے دل پہ جو الہام نازل کیا اسے میں نے خیر البیان میں لکھا اور خدا کا الہام اور پیغام پہنچانے میں ذرا بھی بخل روا نہ رکھا۔

ایک حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

" کما تحیون تموتون و کما تموتون تحشرون "

یعنی جس طرح تم زندگی گذار رہے ہو اسی حالت پہ تمہاری موت واقع ہوگی اور جس حالت پہ تمہاری موت واقع ہوگی۔ اسی حالت پہ تمہارا حشر ہوگا۔

ہم نے بایزید کے دعویٰ نبوت و رسالت پر خود ان کی کتابوں کی روشنی میں نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی اور اس کے دوسرے عقائد باطلہ پہ بھی مدلل بحث کی۔ اب ہم اس کی کتابوں سے ہٹ کر تاریخ کی مختلف کتابوں کے چند مختصر حوالے پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ بایزید کے متعلق "تاریخ" کی شہادت اور فیصلہ کیا ہے۔

بایزید تاریخ کے آئینے میں

شیخ محمد اکرام ایم اے اپنی تصنیف " رود کوثر " صہ ۲۸ پہ بایزید کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

" غرضیکہ میاں بایزید کی تعلیمات کا سراغ دوسرے وحدت الوجودیوں کے ہاں مل جاتا ہے۔ لیکن مقامی حالات کے مطابق انہوں نے ان چیزوں کو ایک نیا رنگ دیا اور ان خیالات میں اس طرح غلو کیا کہ ان کی کایا ہی پلٹ دی۔ شریعت پر طریقت کو اور طریقت پہ معرفت کو اس طرح ترجیح دی کہ اپنے مریدوں کو شریعت سے بالکل آزاد کر دیا بلکہ

ان کے لئے ایک نئی شریعت کا آغاز کیا اور نماز، روزہ، طہارت کے احکام میں بنیادی تبدیلیاں کیں۔"

شیخ محمد اکرم آگے چل کر ص ۳۵ پر لکھتے ہیں۔

" دبستان مذاہب " نے جس کے مصنف نے میاں بایزید کے حالات ان کی خود نوشت سوانح عمری حالنامہ اور دوسرے ماخذ سے جمع کئے ہیں۔ لکھا ہے کہ میاں بایزید اپنے بیٹوں کے ساتھ مدتوں تک راستہ چلنے والوں کو لوٹتے رہے۔ پانچواں حصہ اپنے قائم کردہ بیت المال میں جمع کرتے اور بوقت ضرورت اہل استحقاق میں تقسیم کرتے۔"

رود کوثر کا تیسرا اقتباس ملاحظہ ہو۔

" مریدوں کو تعلیم دی کہ جو ان کے پیر کا قائل نہ ہو اور وحدت الوجود کے راستے پر نہ چلے۔ اس کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے بلکہ انہوں نے تو اپنے مخالفین کا قتل کرنا اور ان کا مال متاع لوٹ لینا جائز قرار دیا۔ وجہ یہ بتائی کہ جو لوگ خود شناس نہیں وہ تو حیوان ہیں جنہیں دوسرے حیوانوں کی طرح ذبح کرنا اور سانپ بچھوؤں کی طرح ہلاک کرنا جائز ہے۔ یا حیات ابدی سے محروم ہونے کی وجہ سے مردے ہیں اور مردوں کا مال زندوں کو پہنچتا ہے۔"

رود کوثر کا آخری اقتباس جو اس نے " دبستان مذاہب " کے حوالے سے ص ۳۵ پر لکھا ہے ملاحظہ کیجئے۔

" او خود را نبی دانستے و مردم را بہ ریاضت فرمودے و نماز بگزاردے۔ اما تعین جہت را از میان برداشت فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ فرمود غسل بآب واجب نیست چہ ہمیں کہ باد رسید تن پاک شود چہ چار عنصر از مطہرات است۔"

ترجمہ۔ وہ اپنے آپ کو نبی سمجھتا اور لوگوں کو ریاضت کا حکم کرتا اور نماز پڑھتا لیکن قبلے کی جہت اٹھا دی تھی۔ (آیت کے غلط حوالے سے کہتا تھا) تم جس طرف بھی منہ کر لو وہیں اسی طرف اللہ کی ذات ہے۔ کہا تھا کہ پانی سے غسل کرنا واجب نہیں۔ کیونکہ جب ہوا چلی تو بدن پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ چار عناصر یعنی پانی۔ مٹی۔ ہوا اور آگ بدن کو پاک کرنے والے ہیں۔

صاحب " فرشتہ " کا بیان | کہتے ہیں کہ ایک ہندوستانی شخص نے اپنا نام پیر روشن مشہور کیا تھا۔ اس نے افغانوں میں جا کر ان کو اپنا مرید بنا لیا۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا جلالہ چودہ برس کا تھا۔ وہ بادشاہ کی ملازمت میں آیا اور کچھ عرصے بعد بھاگ کر افغانوں میں چلا ملا۔ اور خلق کثیر کو اپنے ساتھ متعلق کر کے اس نے ہندوستان اور کابل کا راستہ بند کر دیا (تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۷۷)

صاحب منتخب التواریخ کا بیان | ملا عبد القادر بدایونی اپنی تاریخ میں ۹۹۴ھ کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:-

" آج سے پچیس برس پہلے ایک ہندوستانی سپاہی پیشہ آدمی نے اپنے لئے پیر روشنائی خطاب تجویز کیا۔

اور افغانوں میں جاکر بہت سے احمقوں کو اپنا مرید بنا لیا۔ اور اپنی بے دینی اور بد مذہبی کو رونق دی۔ اور ایک کتاب تصنیف کرکے "خیر البیان" نام رکھا۔ اس میں اپنے عقائد فاسدہ کو ترتیب دیا اور چند روز میں سر کے بل اپنے ٹھکانے جا پہنچا۔" (تذکرہ سرحد صہ ۱۷۸)

صاحب تاریخ آزاد پٹھان کا بیان | تاریخ آزاد پٹھان کے مصنف جناب اللہ بخش یوسفی بایزید کے کیمپ کے آدمی ہیں اور انہوں نے تاریخ یوسف زئی میں محض تعصب کی بنیاد پر حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اخوند درویزہ رحمۃ اللہ علیہ پر بہت سی بہتان تراشیاں کیں۔ اور کذب بیانیوں کا ایک طومار باندھا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی تاریخ آزاد پٹھان میں بایزید کی اصل حقیقت کے متعلق بعض حقائق صاف طور پر تسلیم کئے ہیں۔ جنہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"اسے مختلف مذاہب کے علماء کی صحبتوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ اور بالآخر اس نے فرقہ روشنیہ کی بنیاد ڈالی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر صوفیوں اور یوگیوں کی تعلیم کا خاصا اثر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے عقائد کے مطابق وہ تمام لوگ جو اس کی پیروی پر آمادہ نہ ہوسکے مردہ سمجھتے تھے۔ اور ان کی جائیداد وغیرہ بطور وراثت ان لوگوں کا حصہ تھی۔ جو زندہ یعنی بایزید کے پیرو تھے۔ اور انہیں حق حاصل تھا کہ موقع ملنے پر ان مردوں کی جائیداد کو وہ اپنے قبضہ تصرف میں لے آئیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنے طریقہ عبادت کے مطابق وہ بلاتخصیص مرد و زن یکجا ہوتے۔ (تاریخ آزاد پٹھان صہ ۱۶۴)

یوسفی صاحب کا ایک اور اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"چونکہ اس علاقے میں کوئی تحریک مذہبی رنگ کامیاب نہیں ہوسکتی اس وجہ سے اس تحریک میں مذہبی رنگ بھرا جانا ضروری تھا۔ مذہب کے نام پر خواص و عام کو اس میں شمولیت کی دعوت ملی (تاریخ یوسف زئی صہ ۲۷۸)

مولانا غلام رسول مہر کا بیان | مولانا موصوف اپنی تصنیف "سید احمد شہید" کے صفحہ ۶۴۵ پر لکھتے ہیں۔

"وہاں گمٹ فرسہ گئے صحبس کے قریب پیر تاریک کی قبر تھی۔ اس کا نام بایزید تھا تجارت کے سلسلے میں ہندوستان آیا۔ جالندھر میں شادی کی۔ پھر نیا مذہب پیدا کیا اور اپنا نام پیر روشن رکھا۔ دیندار لوگوں نے اسے پیر تاریک کا خطاب دیا۔ اخوند درویزہ نے اس کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے بڑی ہمت کی۔ آخر بایزید بری حالت میں مرا۔ اس کے بیٹوں نے فتنہ اٹھایا وہ بھی مارے گئے۔"

تاریخ سوات کا بیان | جناب سید عبدالغفور صاحب قاسمی اپنی "تاریخ سوات مطبوعہ ۱۹۳۹ء" کے صفحہ ۴۷ پر لکھتے ہیں:۔

"پیر تاریک بھی اسی زمانے میں اس قوم میں وارد ہوا جس نے اپنے ملحدانہ عقائد کے زیر اثر افغانوں میں ایک

لٹیری جماعت پیدا کرلی۔ حضرت اخوند درویزہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی قوت اور روحانی طاقت نے اس کی تاریک تعلیم کا خاتمہ کر دیا۔"

محمد آصف خاں مورخ سوات کا بیان | جناب محمد آصف خان اپنی پشتو "تاریخ سوات" کے صفحہ ۴۷ پر لکھتے ہیں کہ "بایزید ہندوستان گیا تو اتفاقاً اس کی ملاقات ملا سلیمان کالنجری سے ہوئی۔ بایزید سلیمان کے عقیدے سے بہت متاثر ہوا حتیٰ کہ اس سے بیعت کی۔ سلیمان تناسخ کے عقیدے کا قائل تھا اور بہت جلد بایزید کو بھی تناسخ کا قائل کر دیا۔"

خوشحال خان بابا کے خاندان کے تاثرات | ہم نے اس مضمون کی ایک گذشتہ قسط میں بایزید کے بارے میں خوشحال خان بابا کی کلیات کے حوالے سے وہ شعر لکھا تھا جس میں خوشحال خان خٹک نے بایزید کو کفر کی تلقین کا علمبردار اور حضرت اخوند درویزہ بابا کو ایمان کا داعی قرار دیا تھا۔ اب خان موصوف کے بیٹے عبدالقادر خان خٹک کا وہ شعر ملاحظہ کیجئے جس میں انہوں نے بایزید کو یزیدی کارناموں کی وجہ سے یزید قرار دیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

ځان بایزید بولی کار وئ د یزید کا ۔ له شیخانو څکه زه بې اعتقاد یم (دیوان عبدالقادر خان خٹک صہ ۸۹)

ترجمہ۔ اپنے آپ کو بایزید کہتا ہے اور یزید کے کام کرتا ہے اس لئے میں ایسے پیروں پر اعتقاد نہیں کرتا

اسی طرح خوشحال خان بابا کے پوتے افضل خان نے اپنی "تاریخ مرصع" میں بایزید کا عقیدۂ تناسخ ثابت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ سلیمان کالنجری کا صحبت یافتہ تھا جو اہل تناسخ ہے۔

تاریخ صوبہ سرحد کا بیان | جناب میر احمد صاحب متوفی ۱۹۰۰ء نے اپنی تاریخ صوبہ سرحد میں بایزید کے بار میں تفصیلی بحث کی ہے لیکن ہم اختصار کی خاطر اس کتاب سے صرف دو اقتباس پیش کرتے ہیں۔

ا۔ پیر تاریک ایک شخص پیدا ہوا جس نے اپنا نام پیر روشن رکھ کر فرقہ روشنیہ کا بانی ہوا۔ باجوڑ اور تیراہ کے سا ور بیکار لوگوں کو اپنا مرید بنا کر ایک لٹیری جماعت کا سرغنہ بن گیا۔ اس کے مرید کنارہ اٹک سے پشاور اور کابل تک راہزنی کرتے اور قافلوں کو نقصان پہنچا کر اپنے پیر کے پاس باجوڑ اور تیراہ کی پہاڑیوں میں جا چھپتے تھے کبھی کبھی دور دور نزدیک کے گاؤں پر ڈاکہ مارتے اور لوٹتے اور گاؤں کو برباد کر دیتے تھے (صہ ۹۷)

دوسرا اقتباس ہے۔ باجوڑ کے علاقے سے اخوند درویزہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک فاضل، عالم باعمل، ولی مرد خدا طریقہ روشنیہ (تاریکیہ) کی تردید کے لئے نکلے۔ تیراہ میں اس کے جھوٹے عقائد کی تردید اور سچے اسلامی عقائد کی اشاعت کر کے لوگوں کو پیر تاریک سے متنفر کیا۔ علاقہ پشاور میں پیر تاریک کے قصے اب تک مشہور ہیں۔ اخوند درویزہ صاحب نے اس کے عقائد باطلہ کی تردید میں رسالے لکھے ہیں۔ جو پرانے کتب خانوں سے مل سکتے ہیں

(بحوالہ تاریخ صوبہ سرحد صہ ۱۰۰)

از حافظ عبدالغفور صاحب
لیکچرار شعبہ اسلامیات
پشاور یونیورسٹی

مفتیٔ سرحد مولانا مفتی عبد القیوم پوپلزئی

صوبہ سرحد کے مایۂ ناز فرزند، جید عالم دین اور نڈر سیاستدان حضرت مولانا مفتی عبد القیوم پوپلزئی مورخہ ۲۴/ مارچ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو بوقت ۱۲ بجے رات وفات پا گئے۔ دوسرے روز بروز جمعہ ۲۵/مارچ کو نماز جمعہ پڑھی گئی جس میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔

خاندان پوپلزئی | خاندان پوپلزئی، پوپل خان کی طرف منسوب ہے۔ پوپل خان کا شجرۂ نسب احمد شاہ ابدالی سے جا ملتا ہے۔ امیر محمد عظیم خان کے وقت میں آپ کے جد امجد کے والد افغانستان سے ہجرت کرکے پشاور آباد ہوئے

(ماخوذ از دی پٹھان صـ ۱۲۷۱ از سر اولف کیرو)

پوپلزئی خاندان سے پشاور میں صرف مولانا عبد الرحیم پوپلزئی اور مفتی عبد القیوم پوپلزئی کے گھرانے باقی رہ گئے ہیں۔ مولانا عبد الرحیم پوپلزئی کے ایک صاحبزادے عبد الرؤف پوپلزئی ہیں۔

پوپلزئی کا شجرۂ نسب کچھ اس طرح ہے جو مجھے مفتی صاحب مرحوم کے صاحبزادہ مولوی شہاب الدین سے ملا ہے۔

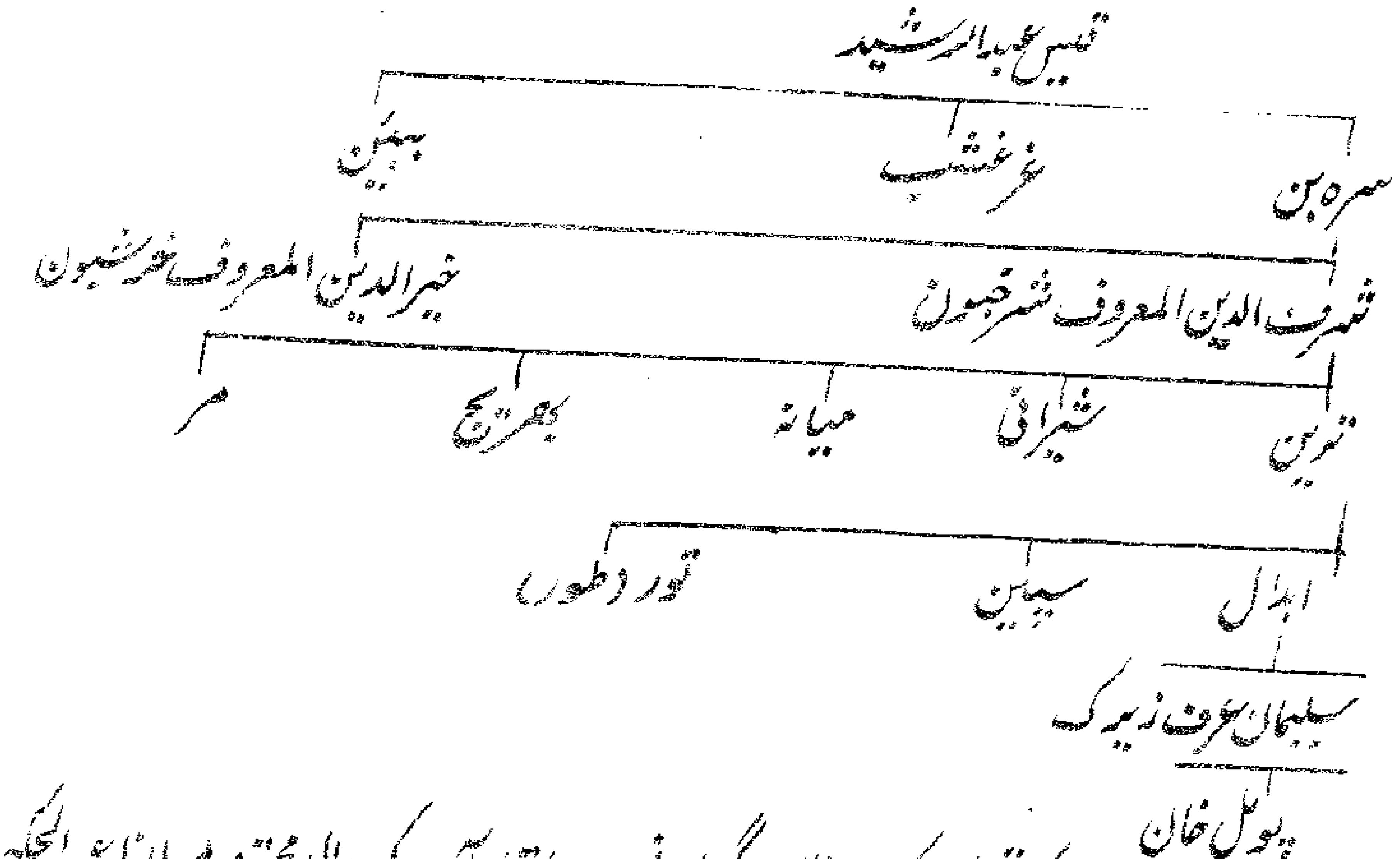

خاندانی حالات | آپ کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا۔ آپ کے والد محترم مولانا عبد الحکیم صاحب پوپلزئی (متوفی ۱۳۴۸ھ) اپنے وقت کے مشہور عالم دین اور حافظ قرآن تھے۔ اور مفتی سرحد کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد مولانا عبد الحکیم صاحب (متوفی ۱۳۴۸ھ) دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں علوم متداولہ مکمل کرنے کے بعد لکھنؤ تشریف لے گئے۔ اپنے علم کی پیاس کو لکھنؤ میں خوب بجھایا۔ اور رامپور کے علماء سے استفادہ

کرنے کے بعد اجمیر شریف کے دارالعلوم معینیہ میں صدر مدرس رہے۔ ہندوستان کے مشہور و معروف پیر اور بزرگ حضرت جہانگیر شاہ صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند جناب اقبال شاہ صاحب بھی آپ کے شاگرد تھے۔[1]

ہندوستان سے واپسی پر پشاور شہر میں مدرسہ جٹان "دارالعلوم تعلیم القرآن" میں صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ آپ کے علم کا شہرہ دور دراز تک پھیلا۔ اور قرآن، حدیث اور فقہ کے امام تسلیم کئے گئے۔ آپ پر ہر وقت خشیت الٰہی طاری رہتا۔

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی ہندوستان جانے سے پہلے کوہاٹ میں کی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک لڑکا عبدالرشید عطا فرمایا۔ جو جوانی کے عالم میں فوت ہوا۔ دوسری شادی جس وقت آپ دیوبند سے لکھنؤ پہنچے تو آپ کے اخلاق حمیدہ اور اعلیٰ علم کی قابلیت سے متاثر ہو کر مولانا عبدالحمید صاحب کابلی نے اپنی لڑکی آپ کے حبالہ عقد میں دے دی۔ اس سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے چھ بیٹے عطا کئے۔

۱۔ مولانا مفتی عبدالرحیم پوپلزئی ۲۔ میاں عبدالبصیر صاحب ۳۔ میاں عبدالنصیر صاحب ۴۔ میاں عبدالغفور ۵۔ میاں عبدالمجید ۶۔ مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی[2]

میاں عبدالغفور اور میاں عبدالمجید بچپن میں وفات پا گئے۔ میاں عبدالنصیر اور میاں عبدالبصیر عالم شباب میں غیر شادی شدہ انتقال کر گئے۔ مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی سب سے چھوٹے تھے۔

آپ کی اولاد میں آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی عبدالرحیم پوپلزئی (متوفی ۱۳۶۴ھ) نے سیاسی اور مذہبی خدمات کے پیش نظر بڑا نام پیدا کیا۔ انہوں نے اپنے دور میں انگریز سامراج کی پرزور مخالفت کی۔

آپ نے ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ہجرت کی تحریک میں جانفشانی کے ساتھ قوم کی خدمت کی اور اپنے پرخلوص اور بے لوث خدمات کا سکہ ہر ایک کے دل میں بٹھا دیا۔[3]

علمی و سیاسی مقام | مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی بھی اسی سیاسی، مذہبی اور اصلاحی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان کا رخ کیا۔ دارالعلوم دیوبند جو اس وقت اپنی نوعیت کا ایک مثالی ادارہ تھا جہاں سے لاکھوں تشنگان علم نے اپنی پیاس بجھائی۔

۱۹۳۸ء میں آپ بھی اس مدرسہ کے طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ اور مولانا حسین احمد مدنی (متوفی ۱۳۷۷ھ) سے شرف تلمذ پایا۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد آپ مدرسہ امینیہ دہلی میں بھی مولانا مفتی

---

[1] تذکرہ مشائخ سرحد جلد ۱ صہ ۲۳۴ از سید امیر شاہ قادری [2] ایضاً [3] مشاہیر علماء دیوبند صہ ۲۸۸، ۲۸۹

کفایت اللہ صاحب (متوفی ۱۳۷۲ھ) کے ہاں ایک سال تک طالب علم رہے۔ اور یہیں سے سند حاصل کی۔[1] مفتی عبدالرحیم (متوفی ۱۳۶۴ھ) جس دن فوت ہوئے۔ آپ کی نماز جنازہ پڑھانے سے قبل وائرلیس گراؤنڈ (عقب قلعہ بالاحصار) میں آپ کی دستاربندی بروز بدھ ۳۱ مئی ۱۳۶۴ھ کو پشاور کے جید عالم مولانا سید حبیب[2] شاہ بادشاہ (متوفی ۱۳۷۳ھ) نے کی۔

چونکہ آپ کے والد اور آپ کے بڑے بھائی پشاور کی تاریخی جامع مسجد قاسم علی خان کے خطیب بھی تھے۔ اہلیان پشاور کے اصرار سے آپ بھی اس مسجد کے خطیب مقرر ہوئے۔

آپ نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز جمعیۃ علماء ہند سے کیا۔ بعدازاں آپ سید عطاء اللہ شاہ بخاری (متوفی ۱۳۸۱ھ) کی قیادت میں احرار الاسلام میں شامل ہو گئے۔ چونکہ آپ صوبہ سرحد محکمہ اوقاف کے چیف خطیب بھی تھے لہٰذا سیاسی بنا پر آپ کو اس عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ آپ نے اپنی ساری زندگی انگریز کی مخالفت اور حق کی سربلندی کی حمایت میں گزاری۔ آپ بہت بڑے انقلابی لیڈر، نڈر رہنما، عالم باعمل، حریت پرور اور انسان دوست فرد تھے۔

قیام پاکستان کے بعد جب جمعیت علمائے اسلام کا قیام عمل میں آیا تو آپ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخاب میں پشاور کی نشست سے آپ جمعیت کے قومی اسمبلی کے امیدوار بھی تھے۔

آپ مولانا مفتی محمودؒ (متوفی ۱۴۰۰ھ) مولانا عبداللہ درخواستی۔ مولانا عبیداللہ انور مدظلہ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی و اطال اللہ عمرہ، بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے قریبی ساتھی تھے اور نامور عالم دین مولانا محمد یوسف بنوری (متوفی ۱۳۹۷ھ) کے ہم جماعت تھے۔

آپ کی اعلیٰ خدمات، حسنِ اعتماد اور حق گوئی کی بنا پر مولانا مفتی محمود جب سرحد کے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے تو آپ کو دوبارہ سرحد کے محکمہ اوقاف کا چیف خطیب مقرر کیا گیا اور تاحیات اس عہدے پر فائز رہے۔ خطابت کے عہدے سے برطرفی کے بعد بھی عوام الناس آپ سے قضا کے سلسلے میں رجوع کرتے تھے۔ اور بدستور مفتی سرحد کے لقب سے ملقب ہوئے۔ والذین اوتوا العلم درجٰت۔

---

۱ یہ حالات مفتی عبدالقیوم پوپلزئی کے صاحبزادے مولانا شہاب الدین نے بتلائے ہیں۔ ۲ آپ اس وقت پشاور کے ڈسٹرکٹ خطیب تھے۔ علم و حکمت سیاست و تدبر کے علاوہ فقہ کے ماہر تھے۔ آپ کے والد مولانا سید اکبر شاہ کوہاٹ کے رہنے والے تھے۔ پشاور کی سادات تنظیم میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ اور انجمن سادات پشاور کے صدر بھی رہے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ کو خطیب سرحد مقرر کیا گیا اور پشاور کی مسجد مہابت خان کی خطابت اور عیدگاہ پشاور کی امامت و خطابت بھی آپ کے سپرد کی گئی۔ آپ نے ۱۳۷۳ھ میں وفات پائی۔

اور ہر دور میں آپ رمضان المبارک کا چاند نظر آنے اور عید الفطر کا چاند نظر آنے کی شہادت لے کر رمضان اور عید کا فیصلہ سناتے تھے۔ ان دونوں فیصلوں کو سننے کے لئے لوگ دور دراز سے جامع مسجد قاسم علی خان آیا کرتے تھے جن میں علماء کی موجودگی بکثرت ہوتی تھی۔ اور مسجد میں لوگوں کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ سردی کے موسم میں بھی لوگ پسینہ میں شرابور ہوجاتے تھے۔

آپ جید علماء کو اپنے کمرے میں بٹھا کر اپنی زیر صدارت حکومت وقت کا لحاظ کئے بغیر شرعی فتویٰ صادر فرمایا کرتے تھے۔ اگرچہ آپ کو اس سلسلہ میں قید و بند اور جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔

اولاد　آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔۱۔ محمد نصیر الدین۔ ۲۔ محمد جلال الدین اور مولانا شہاب الدین۔

بقیہ : صـــ ۱۰

کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم حکومت پر بوجھ بننا نہیں چاہتے۔ بحمد اللہ ہمارے جملہ مصارف رب العزت غیب سے پورا فرماتے ہیں۔ نصاب تعلیم کی اصلاح اور علوم جدیدہ کا اس میں سمونا وغیرہ بھی ہمارے زیر غور ہے۔ انشاء اللہ آہستہ آہستہ یہ سب کچھ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ فی الحال ہم نے مڈل تک مروجہ نصاب کے ساتھ علوم دینیہ کو بھی رکھا ہے۔ انشاء اللہ بتدریج مڈل سکول کو میٹرک تک ترقی دے کر علوم دینیہ کا نصاب بھی بڑھادیا جائے گا۔ آپ کی اسلامی یونیورسٹی جس مقصد کے لئے قائم کی گئی ہے اللہ تعالیٰ اس مقصد میں کامیابی سے ہمکنار فرمادے۔ آپ کی جس قدر محبت دین سے ہوگی آپ کے لئے باعث ترقی درجات ہوگی اور یونیورسٹیوں کے طلباء آپ کے دینی معیار کو دیکھیں گے تو نصیحت لیں گے۔ آپ لوگوں کے ہاتھوں میں آئندہ حکومت آئے گی۔ تو اگر آپ حقیقی معنوں میں دینی علوم سے آراستہ ہوں تو دین کا بول بالا ہوگا۔ ■

قارئین

بنام مدیر الحق

● سرجری اور اسلام ۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ۔ فرانس

● حجیت حدیث اور مغربی ادارے ۔ ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

● "بغداد" ۔ تعاقب ۔ مولانا عبدالعزیز مظاہری

● قادیانیوں کی علمی ادبی خفیہ سازشیں اور کتاب جہاد ۱۸۵۷ء

از پیام شاہجہانپوری ۔

افکار و تاثرات

سرجری اور اسلام

ماہ رجب کا شمارہ الحق آج پہنچ گیا، باعث ممنونیت ومسرت ہوا۔ اس دفعہ "سرجری" کے عنوان سے جو عالمانہ مضمون مولانا محمد عبداللہ طارق دہلوی صاحب نے شائع فرمایا ہے، اسے خود طبیب نہ ہونے کے باوجود شوق سے پڑھا اور مستفید ہوا۔ عنوان اگر جراحی ہوتا تو بہتر ہوتا کہ یہ لفظ ہماری زبان میں موجود ہے۔ صہ ۲ سطر ۴ تا ۵ میں لکھا ہے کہ "مسلم سرجن جو تجربات کرتے تھے وہ پرندوں، بندروں اور انسانی لاشوں پر کرتے تھے۔" کیا وہ اس کا حوالہ دے سکیں گے؟ چند سال قبل میں اٹلی گیا تھا تو وہاں ایک یونیورسٹی (جامعہ) میں ہمیں بتایا گیا کہ "دنیا میں پہلی دفعہ کسی لاش کی چیر پھاڑ یہاں کی گئی اور یہ لاش کی میز ہے۔ اور یہاں اوپر طلبہ کھڑے رہ کر استاد کے عمل کا مشاہدہ کرتے تھے۔" اس لئے مطلوبہ حوالہ کی اہمیت ہے۔ میں نے مرحوم مولانا ابوالوفاء افغانی سے بھی ایک بار دریافت کیا تھا کہ آیا ان کے علم میں کتب فقہ و تاریخ وغیرہ میں ایسا کوئی واقعہ ہے کہ کوئی کفن چور (نباش) لاش کو چرا کر جراحوں کو فروخت کرتا پایا گیا ہو؟ انہوں نے لاعلمی ظاہر فرمائی تھی۔ میری اس زحمت دہی کو معاف فرمائیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ ۔ پیرس ۔ ۱۲ر شعبان

حجیت حدیث پر انگریزی مواد

یہاں آنے کے بعد سے میں نے جو کچھ اب تک یہاں کی لائبریریوں اور جامعات کو دیکھا ہے ان کو دیکھ کر یہ احساس بہت زیادہ بڑھ گیا ہے کہ ہمارے علماء کرام نے بالخصوص حجیت حدیث پر جو گرانقدر کام کیا ہے یہ سارا ذخیرہ کسی طرح انگریزی زبان میں منتقل ہو جائے اور کوئی ایسا ٹرسٹ بھی قائم ہو جائے جو ان کتابوں کو مغرب کی جامعات تک پہنچا سکے۔ یہاں کتابوں کی خرید میں مستشرقین ہی کی کتابوں

کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہاں قریب سے جو مشاہدات کر رہا ہوں ان شاء اللہ ضبط تحریر میں لے آؤں گا۔

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
جامعہ ایگزیٹر شمال مغربی برطانیہ

بغداد - چند فروگذاشتیں | الحق ماہ مئی میں جناب ڈاکٹر بخت رواں صاحب کا ایک مضمون "بغداد" نظر سے گزرا، سر دست اس کی چند ادبی اور لسانی فروگذاشتوں کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں :

۱- ص۱۵ پر وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے نمبر ۳ کے تحت جو عبارت انہوں نے نقل کی ہے۔ اس کا ترجمہ غلط ہے۔ صحیح ترجمہ یوں ہے۔ اِسْتَعْرَقَتْ اِبِلُکم (تمہارے اونٹ عراق پہنچ گئے۔) کا محاورہ اس وقت استعمال ہوتا ہے۔ یا یہ الفاظ اس وقت کہے جاتے ہیں جب کسی کے اونٹ عراق پہنچ جاتے ہیں یا عراق میں داخل ہو جاتے ہیں۔ باب افعال اور استفعال کا استعمال اس معنیٰ میں عام ہے۔ اَحْجَزَ (قَصَدَ الحجاز) اَعْرَقَ (قصد العراق) اِسْتَعْرَقَ (دَخَلَ العراق) اس لحاظ سے اس عبارت کا وجہ تسمیہ سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔

۲- ص۲ پر ڈاکٹر صاحب نے بغداد کی تعریف میں محمد بن خلف ہمدانی کے جو اشعار نقل کئے ہیں۔ ان کے ساتھ آخر میں یہ شعر بھی درج کیا ہے

یقیم الرجال الاغنیاء بأرضهم وترمی النوی بالمقترین المراميا

اطلاعاً عرض ہے کہ یہ شعر ایک حماسی شاعر ایاس بن قائف کا ہے اور اس کا بغداد کے ساتھ کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ نیز شعر کا پہلا لفظ یُقیم نہیں تُقیم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس شعر کے نیچے جو ترجمہ دیا ہوا ہے وہ بھی "چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا" کی یاد دلا رہا ہے۔ شعر کا صحیح مطلب اور ترجمہ یہ ہے :

مالدار لوگ تو اپنی دولت و ثروت کی بناء پر اپنے شہروں میں مقیم رہتے ہیں۔ یعنی انہیں کسب معاش کی تلاش میں سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور تنگدست لوگوں کو احباب و اقرباء کی جدائی دور دراز مقامات پر پھینک دیتی ہے، یعنی وہ بچارے تلاش روزگار میں "فظر" اور "دوبئی" کا سفر اختیار کر کے اپنے رشتہ داروں سے دور ہو جاتے ہیں۔

۳- ص۲۱ پر مَغْنیٰ کا ترجمہ مسکن اور ٹھکانا کرنے کی بجائے "جائے غناء" سے کرنا بھی درست نہیں ہے۔ قرآن مجید میں کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا۔ اسی مادہ سے ہے۔

۴- ص۱۵ پر ڈاکٹر صاحب نے خطیب بغدادی کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں انہوں نے خان خیل کی ترکیب پر غور نہیں فرمایا۔ خان ترکی زبان کا لفظ ہے جو مہمان سرائے اور مسافر خانہ کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔ عربی

میں بھی اس کا استعمال اسی معنیٰ میں ہوتا ہے اس کی جمع خانات آتی ہے۔ المنجد میں اس کا معنیٰ خانوت، محل نزول المسافرین اور فندق لکھا گیا ہے۔ اور خیل عربی میں گھوڑوں یا گھڑ سواروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے الدار المعروفة بخان خیل۔ کا مطلب یہی ہے کہ وہ گھر ایسا مہمان خانہ یا مسافر خانہ کہلاتا تھا جس میں گھوڑے یا گھڑ سوار فوجی رہتے تھے۔ اور اسی مناسبت سے ان کا نام خان خیل پڑ گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سوات کے خانخیل سے اس کا تعلق جوڑنے کیلئے دور کی کوڑی لائے ہیں۔ بہتر ہوتا اگر ڈاکٹر صاحب اُن روایات کے مأخذ بھی بیان فرماتے جنہیں وہ احادیث کا درجہ دے چکے ہیں۔ امید ہے میری ان معروضات سے ڈاکٹر صاحب کبیدہ خاطر نہیں ہوں گے۔

مولانا عبدالعزیز مظاہری
گورنمنٹ ہائی سکول جمرود

یہ قادیانی تاریخ نویس؟ | قادیانی علم و ادب اور تاریخ و تحقیق کے مختلف میدانوں میں اور مختلف سطحوں پر کھلے اور چھپے جو کام کر رہے ہیں اس کے دو نمونے حال ہی میں سامنے آئے ہیں:

۱۔ ۱۸۵۷ء کا جہاد — از پیام شاہجہان پوری

۲۔ خطوطِ مہر (غلام رسول مہر) — مرتبہ انیس شاہ جیلانی

اوّل الذکر کھلے قادیانی ہیں جب کہ ثانی الذکر اپنے پسندیدہ موضوعات، خطوط مہر پر حواشی اور اس کے مقدمے کے بعض افکار کی روشنی میں فکر و عقیدہ کے ایک خاص مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں۔

علمی اور صحافتی حلقے بیدار ہیں

(ایک واقف حال)

۱۸۵۷ء کا جہاد اور قادیانی مصنّف | ایک کتاب ۱۸۵۷ء کا جہاد کا اشتہار پڑھا خیال ہوا کہ جنگِ آزادی کی تاریخ ہوگی۔ مرتب کوئی پیام شاہجہان پوری تھے۔ کتاب ہم نے منگوالی، لیکن پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تو پکا قادیانی ہے۔ اور مرزا غلام احمد کا فتویٰ کہ انگریز سے جہاد حرام ہے اس کو ثابت کرنے کیلئے علماء دیوبند اور دیگر مجاہدینِ آزادی کی تاریخ کو مسخ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ سارے حضرات بھی انگریز سے جہاد کو حرام سمجھتے تھے۔ ابھی اس نے اپنا پندرہ روزہ رسالہ تقاضے بھیج دیا جس میں ایک مضمون ہے کہ صحابہؓ کرامؓ بھی وفات مسیح کے قائل تھے۔ میں نے پیام شاہجہان پوری کو کھلا خط لکھا ہے دیکھئے کہ وہ اسے شائع کرتے ہیں یا نہیں۔

مولانا عبدالحق مفتاح العلوم
حیدر آباد

دفتر ہو، یا فیکٹری
دوکان ہو، یا گھر

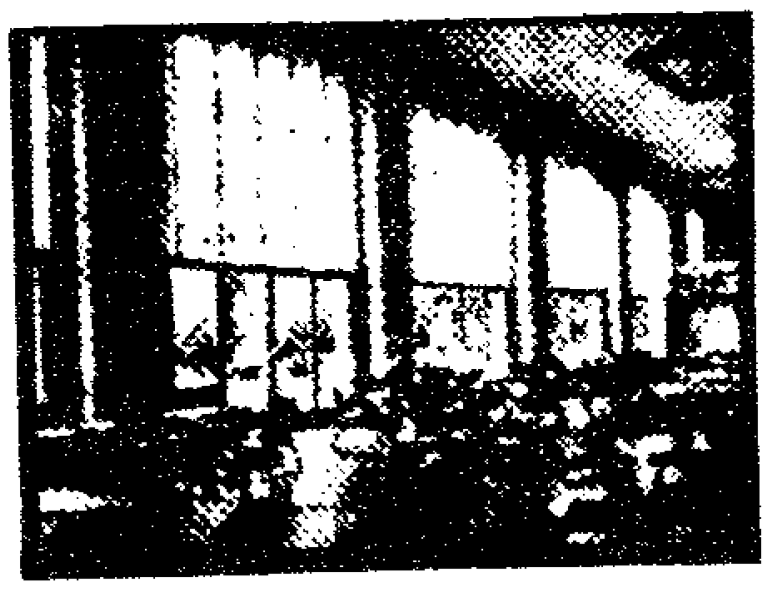

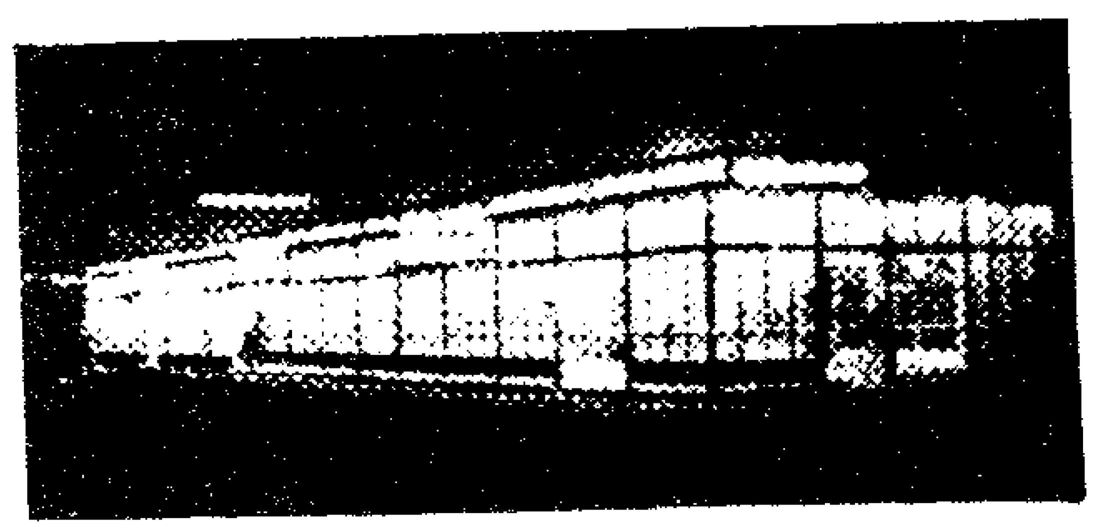

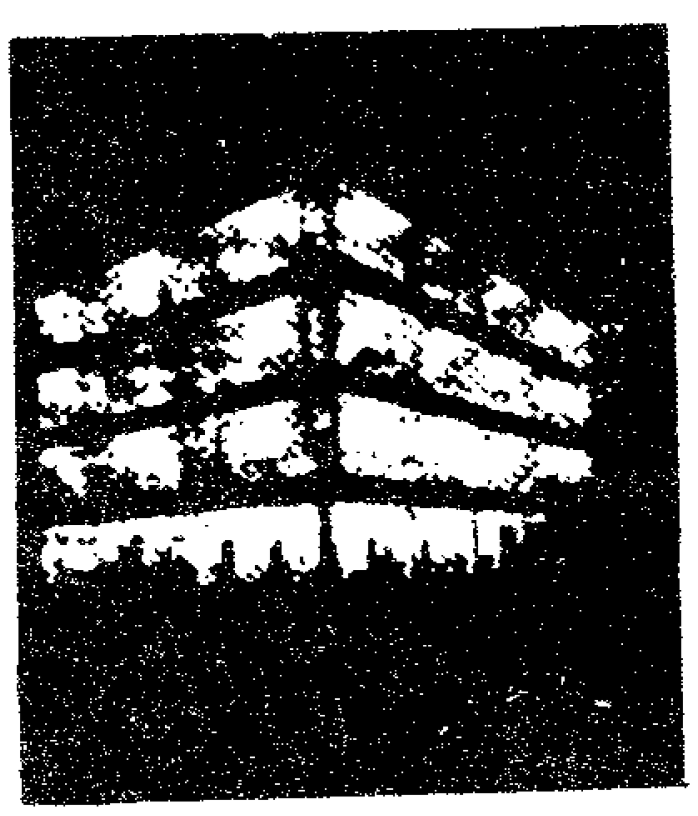

شیشہ

خواجہ کا

خواجہ گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ
شاہراہِ پاکستان ——— حسن ابدال

فیکٹری آفس: ۴۳، ای بلیک روڈ، صدر راولپنڈی
رجسٹرڈ آفس: ۳۔ ایبٹ روڈ، لاہور

وضو قائم رکھنے کے لئے جوتے پہننا بہت
ضروری ہے ہر مسلمان کی کوشش
ہونی چاہیئے کہ اس کا وضو قائم رہے۔

سروس انڈسٹریز

پائیدار۔ دلکش۔ موزوں اور
واجبی نرخ پر جوتے بناتی
ہے

سروس شوز
Servis

قدم قدم حسین قدم قدم آرام

نیلام عام منڈی مال مویشیاں

اکوڑہ خٹک

ٹاؤن کمیٹی اکوڑہ خٹک اپنی منڈی مال مویشیاں کا ٹھیکہ برائے سال ۸۴-۱۹۸۳ء
دوبارہ بذریعہ عام بولی مورخہ ۸۳-۶-۲۲ بوقت ۱۰ بجے صبح نیلام کرنا چاہتی ہے
زرضمانت مبلغ ۱۰ ہزار روپیہ نقد یا کال ڈیپازٹ کی صورت میں داخل کرنا ہوگی۔
دیگر شرائط کسی بھی وقت دفتری اوقات میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ لہذا
خواہشمند حضرات تاریخ اور وقت مقررہ پر تشریف لاکر بولی میں شرکت کریں۔

المشتہر

شیخ گلزار حسین چیئرمین۔ ٹاؤن کمیٹی۔ اکوڑہ خٹک۔

INF(P) 1454

Asiatic

MFTM-5-77

اشتہار عام

میونسپل کمیٹی مردان اپنی آمدن کے مندرجہ ذیل ٹھیکہ جات برائے سال ۱۹۸۳-۸۴ء ازیکم جولائی ۱۹۸۳ء تا جون ۱۹۸۴ء بذریعہ کھلی بولی نیلام کرنا چاہتی ہے لہٰذا خواہشمند حضرات درج شدہ زر ضمانت کے ساتھ جو کہ نقد/کال ڈیپازٹ کی شکل میں بنام چیئرمین میونسپل کمیٹی مردان کو پیشگی ادا کرنے کے بعد بولی میں شرکت کر سکتے ہیں جو کہ ماسوائے کامیاب بولی دہندہ کے باقی سب کو موقع پر واپس کی جائے گی۔ زیر دستخطی کسی بھی بولی کو وجہ بتائے بغیر منظور یا نا منظور کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

شرائط ٹھیکہ جات دفتری اوقات کار میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

نمبر شمار	نام ٹھیکہ	زر ضمانت	تاریخ نیلام	وقت
۱-	وصولی آمدن محصول چونگی ، راہداری	دو لاکھ روپے	۲۱-۶-۸۳	۱۰ بجے صبح
۲-	میلہ مال مویشیاں بغدادہ	تیس ہزار روپے	۲۱-۶-۸۳	۱۱ بجے دوپہر

المشتہر

اکرام اللہ شاہد چیئرمین میونسپل کمیٹی مردان

اعلیٰ بناوٹ

دلکش وضع

دلفریب رنگ کا

حسین امتزاج

دنیا کے مشہور

SANFORIZED

REGISTERED TRADE MARK

سینفورائزڈ پارچہ جات

سکڑنے سے محفوظ

۲۰ ایس سے ۸۰ ایس کی سوت کی

اعلیٰ بناوٹ

گل احمد ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

ستار چیمبرز

۲۹- ویسٹ وارف کراچی

ٹیلیفون

۲۳۸۶۰۵ ، ۲۳۳۹۹۳

۲۲۵۵۳۹

تار کا پتہ :- آباد ملز

تغیّر کی دنیا میں
رُوح افزا کو دوام حاصل ہے

رُوح افزا جیسے سچے مشروب کی تخلیق میں طویل تجربہ،
فنی مہارت اور طبّی علم و دانش کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس کی کوالٹی بھی
اسی مہارت سے قائم و دائم رکھی جاتی ہے۔

بے شک ذائقہ، تاثیر اور رنگ میں کوئی مشروب
رُوح افزا کا ثانی نہیں۔

مشروبات میں سرِفہرست

رُوح افزا

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق

اخلاق عملاً مذہب ہے اور مذہب اصولاً اخلاق

Adarts HRA-2/81

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله
حق تقته ولا تموتن
الا وانتم مسلمون ۝ واعتصموا
بحبل الله جميعا ولا تفرقوا ۝

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED